برصغیر پاک وہند میں اسلام کے ابتدائی نقوش اور اثرات

(خلافت راشدہ سے عہد عباسی تک)-۲

گزشتہ سے پیوستہ ---

محمد شمیم اختر قاسمی*

'سندھ'- خلفائے عباسی کے عہد میں:

خلفائے بنی امیہ کے زوال کے بعد ابوالعباس عبداللہ بن محمد المعروف بہ سفاح (۱۳۲-۱۳۶ھ/ ۷۴۹-۷۵۳ء خ) بنوعباس کے پہلے خلیفہ ہوئے۔ انہوں نے بنی امیہ کے تمام عمال وحکام کو اسلامی قلم رو سے معزول کیا تو 'سندھ' میں بھی تبدیلی کی اور مفلس عبدی کو یہاں کا والی بنا کر بھیجا۔ یہ یہاں زیادہ دنوں تک ٹھہر نہ سکے اور قتل کر دیئے گئے۔ ان کے بعد موسیٰ بن کعب آئے اور باغیوں کو ٹھکانے لگا کر ملک میں امن وامان قائم کرنے کی کوشش کی۔ علامہ بلاذری لکھتے ہیں:

"آغاز دولت مبارکہ میں ابومسلم عبدالرحمان بن مسلم نے مفلس العبدی کو سندھ کی سرحدوں کا والی بنایا، وہ طخارستان کے راستے روانہ ہوا، ان دنوں سندھ پر منصور بن جمہور الکلبی متغلب تھا، منصور نے مقابلہ کیا اور قتل کر دیا، اس کا لشکر منہدم ہو گیا۔ ابومسلم نے موسیٰ بن کعب التمیمی کو بھیجا، موسیٰ مہران کے کنارے اترا، منصور دریا کے اس پار تھا، دونوں بڑھے، مقابلہ ہوا، منصور نے شکست کھائی اور اس کا بھائی منظور قتل ہوا، منصور بھاگا اور ریگستان میں پیاسا ہلاک ہو گیا۔ موسیٰ نے منصورہ کی مرمت کرائی، مسجد کو بڑھایا، حملے کیے اور مظفر ومنصور ہوا۔" (۱)

ابوالعباس کے انتقال کے بعد ابوجعفر عبداللہ بن محمد الملقب بہ منصور (۱۳۶ھ-۱۵۸ھ/۷۵۳-۷۷۴ء م خ) خلیفہ ہوئے۔ ان کے ابتدائی چار سالوں تک موسیٰ بن کعب تمیمی ہی 'سندھ' کے حاکم رہے۔ انہوں نے یہاں جو انتظام وانصرام کیا، اس سے یہاں کے باشندے خوش اور مطمئن تھے۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ خلیفہ نے یہاں کی ولایت میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ لیکن جب انہیں اپنے وطن کی یاد ستانے لگی تو وہ ۱۴۰ھ میں یہاں سے چلے گئے اور اپنی نیابت کے لیے اپنے بیٹے عیینہ بن موسیٰ تمیمی کو مامور کر دیا۔ موسیٰ کی وفات ۱۴۱ھ میں ہوگئی تو عیینہ یہاں کے مستقل حاکم مقرر کر دیئے گئے۔ وہ حکومت کے استحکام میں وہ جوہر نہ دکھا سکے جو ان کے والد کے اندر تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دن بدن یہاں بدنظمی پھیلتی گئی اور لوگ ان کے مخالف ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ وہ خود اپنے قرابت داروں کا جو ان کی بدانتظامی کی وجہ سے ان کی مخالفت کر رہے تھے، قتل کرنا شروع کر دیا۔ بعد میں وہ خلافت سے بغاوت کر کے یہاں کے خود مختار حکم راں بن گئے۔ ان کی سرزنش کے لیے منصور نے عمر بن حفص بن عثمان بن ابی صفرہ العتکی کو روانہ کیا۔ شدید معرکہ اور محاصرہ کے بعد یہ گرفتار کر کے منصور کے پاس

---

*اسسٹنٹ پروفیسر: شعبۂ اسلامک تھیالوجی، عالیہ یونیورسٹی، ۲۱- حاجی محمد محسن اسکوئر، کولکاتا-۷۰۰۰۱۶ (مغربی بنگال) انڈیا۔

بھیجے گئے، کسی طرح وہ ان کے قبضہ سے نکل کر 'رخج' پہنچ گئے۔ چوں کہ ان کی سیاہ کاریوں کا علم وہاں کے 'قحطانیوں' کو پہلے ہی ہوگیا تھا۔اس لئے لوگوں نے مل کر عیینہ کا قتل کر کے سر خلیفہ منصور کے پاس بھیج دیا۔(۲)

کسی وجہ عمر بن حفص کو ۱۵۱ھ میں معزول کر کے افریقہ بھیج دیا گیا اور ان کی جگہ ہشام بن عمر تغلبی 'سندھ' کے گورنر بن کر آئے۔ ان کی معزولی کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے نفس ذکیہ کے دعاۃ کو یہاں پناہ دی تھی۔ جس کی وجہ سے یہاں شیعیت کو فروغ حاصل ہو رہا تھا۔ شیعیت کی نشر و اشاعت کے لیے عبداللہ اشتر اپنے چند بہی خواہوں کو لے کر تجارت کے بہانے 'سندھ' میں داخل ہوئے۔ ہشام کی تقرری اور خدمات کا اندازہ ذیل کے اقتباس سے کیا جا سکتا ہے:

''نفس ذکیہ نے اپنے خروج کے زمانہ میں اسلامی ممالک کے مختلف حصوں میں اپنے دعات بھیجے تھے، ابن حفص بھی ان کے حامیوں میں تھا، اس کے پاس اپنے لڑکے عبداللہ بن اشتر کو بھیجا، اس نے ان کو چھپا کر سندھ میں ان کی خفیہ دعوت شروع کر دی تھی اس دوران میں نفس ذکیہ قتل ہو گئے، عبداللہ کو اس کی خبر ہوئی تو وہ خوف زدہ ہوئے، ابن حفص نے ان کو ہندوستان کے ایک راجہ کے پاس بھیج دیا، اس نے بڑی عزت کے ساتھ ٹھہرایا۔ منصور کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو اس نے ابن حفص سے باز پرس کی، اسے خوف ہوا کہ اگر وہ جائے گا تو قتل کر دیا جائے گا، اس کے متوسلین میں سے ایک شخص نے وفاداری کا حق ادا کیا اور سارا الزام اپنے سر لینے کو تیار ہو گیا، چنانچہ ابن حفص نے اسے منصور کے پاس بھجوا دیا، اس نے قتل کر دیا، لیکن ابن حفص متہم ہو چکا تھا اور عبداللہ الاشتر سندھ میں موجود تھے، اس لیے ابن حفص کا افریقہ تبادلہ کر دیا گیا، اور اس کی جگہ ہشام بن عمر تغلبی کا تقرر ہوا۔ اس کے سندھ پہنچنے کے بعد اس کا بھائی سفیح ایک مہم میں جا رہا تھا کہ اتفاقی طور سے عبداللہ اشتر کا سامنا ہو گیا دونوں میں جنگ ہوئی، اس میں عبداللہ مارے گئے، ان کے قتل کے بعد منصور نے ہشام کو اس راجہ پر جس کے یہاں عبداللہ پناہ گزیں ہوئے تھے فوج کشی کا حکم دیا۔ چنانچہ ہشام نے فوج کشی کر کے اس کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔''(۳)

ہشام 'لاہور' سے آگے بڑھ کر 'کشمیر' کی سرحد میں داخل ہو گئے اور حملہ کر کے اسے اسلامی مقبوضات میں شامل کر لیا تھا۔ جب وہ یہاں سے واپس 'منصورہ' آرہے تھے تو دیکھا کہ یہاں کے لوگ باغی ہو گئے اور خود مختار حاکم بن گئے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں سے سخت جنگ کی اور اس پر دوبارہ قبضہ حاصل کیا۔ ان کی کامیابی کو دیکھ کر منصور نے 'کرمان' کی ولایت بھی انہیں کے سپرد کر دی۔ مگر وہ ۱۵۷ھ میں رخصت لے کر اپنے وطن چلے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد وہاں ان کا انتقال ہو گیا۔(۴)

محمد بن منصور المہدی کا عہد:

خلیفہ منصور کی وفات کے بعد ان کا لڑکا محمد بن منصور الملقب بہ مہدی (۱۵۸-۱۶۹ھ/ ۷۷۵-۷۸۵ء) خلیفہ ہوئے۔ انہوں نے 'سندھ' کی ولایت میں فوری طور پر کوئی تبدیلی نہیں کی۔ چوں کہ منصور کے آخری زمانہ میں ہشام رخصت لے کر

اپنے وطن چلے گئے تھے۔ان کی جگہ پر معبد بن خلیل کو یہاں کا والی نام زد کیا گیا۔انہوں نے یہاں دو سال حکومت کی اور عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ان کا انتقال ۱۵۹ھ میں ہو گیا تو خلیفہ نے روح بن تمیم کو'سندھ' کی ولایت سونپی۔اسی زمانہ میں خلیفہ کے حکم سے ایک بحری مہم عبدالملک بن شباب مسمعی کی قیادت میں روانہ ہوئی جو'بھاربھوت' تک گئی اور سخت لڑائی کے بعد حالات پر کامیابی سے ہم کنار ہوئی۔یہاں جو معرکے ہوئے ان میں ۲۹/عرب سپہ سالار شہید ہوئے۔(۵) روح بن تمیم کے آنے سے یہاں کے حالات میں سدھار کی بجائے دن بہ دن بدنظمی پھیلتی گئی۔جاٹوں نے'سندھ' کے مغربی حصے میں ایسا سر اٹھایا کہ خلیفہ وقت پریشان ہو گئے اور کئی گورنر یکے بعد دیگرے روانہ کیے۔مثلاً نصر بن محمد خزاعی، نصر بن محمد الاشعث خزاعی، زبیر بن عباس وغیرہ۔ مگر سب ناکام رہے۔آخر میں لیث بن ظریف ۱۶۴ھ میں یہاں آئے۔بڑی حکمت و تدبر کے بعد انہوں نے یہاں کے حالات پر قابو پایا۔انہوں نے یہاں فوجی قانون (مارشل لا) نافذ کیا تاکہ باغی دوبارہ سر اٹھا نہ سکے۔(۶)

مہدی نے اسلام کی اشاعت کے لیے قابل تحسین اقدامات کیے۔جہاں جنگ کے ذریعہ اشاعت اسلام ممکن ہو سکی تو اس پر بھی عمل کیا اور جہاں اخوت و محبت اور دعوتی خطوط موثر ہو سکتے تھے وہاں اس طریقہ عمل کو بھی اختیار کیا۔چنانچہ تاریخ سندھ کے مصنف لکھتے ہیں:

''مہدی نے تخت نشینی کے بعد ہی اکثر حکم رانوں کے نام تبلیغی خطوط بھیجے اور ان کو مسلمان ہونے کی دعوت دی، یہ سب کے سب حکومت اسلامیہ کے ماتحت تھے، ان میں سے پندرہ راجاؤں اور بادشاہوں نے اسلام قبول کیا، انہیں میں ایک سندھ کا راجہ تھا جس کو'رائے' کہتے تھے اور ایک ہندوستان کا تھا جس کو'مہراج' کہتے تھے اور'پورش' کے خاندان سے تھا۔اس سے قیاس ہوتا ہے کہ سرحدی علاقہ (پشاور) کا بڑا طاقت ور راجہ تھا۔(۷)

ہارون رشید کا عہد خلافت:

مہدی کے انتقال کے بعد موسیٰ بن مہدی الملقب بہ ہادی (۱۶۹-۱۷۰ھ/ ۷۸۵-۷۸۶ء خ) صرف چودہ ماہ کے لیے اپنے موروثی تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ان کے بعد ہارون بن مہدی الملقب بہ رشید (۱۷۰-۱۹۳ھ/ ۷۸۶-۸۰۹ء خ) نے بغداد کی حکومت کو سنبھالا۔ان کا عہد بڑا شان دار رہا۔اس عہد میں بہت سے علاقے اسلام میں داخل ہوئے اور بڑی تعداد میں لوگوں نے اسلام قبول کیا۔'سندھ' کے حالات بھی ان کے عہد میں اچھے رہے۔مگر چوں کہ جس وقت وہ بغداد کے تخت پر متمکن ہوئے اس وقت'سندھ' میں بدامنی پھیلی ہوئی تھی اور قبائلی عصبیت کا جھگڑا زوروں پر تھا، جس کو درست کرنے کے لیے ہارون رشید نے اپنی طرف سے کئی امرا یہاں روانہ کیے، جو ناکام ثابت ہوئے۔سالم یونسی، اسحاق بن سلیمان بن علی ہاشمی، طیفور بن عبداللہ بن منصور حمیری، سعید بن مسلم، قتیبہ کے بھائی کثیر بن مسلم، محمد بن عدی تغلبی، عبدالرحمٰن، ایوب بن جعفر سلیمان وغیرہ یکے بعد دیگرے'سندھ' آئے، مگر ناکام لوٹے۔(۸) آخر میں داؤد بن یزید بن حاتم مہلبی نے ۱۸۴ھ میں

اپنے بھائی مغیرہ کو اپنی جانب سے 'سندھ' کا گورنر نامزد کر کے بھیجا۔ان کے اعلیٰ انتظام سے ملک میں ان کا سکہ خوب بیٹھ گیا۔ان کا عہد اتنا شان دار رہا کہ جنید کے بعد کوئی اس پایہ کا والی یہاں نہ آیا۔ان کے رعب و دبدبہ سے جس طرح اندرون ملک باغی اور مفسد خوف کھاتے تھے،اسی طرح بیرون ملک کے راجہ اور زمین دار بھی خوف کرتے تھے۔انہوں نے یہاں کی قبائلی عصبیت کو بھی کچلا۔ان کی شان دار کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے شاہ معین الدین احمد لکھتے ہیں:

''اس وقت مضریوں نے سندھ پر قبضہ کر کے یمنیوں کو یہاں سے نکال دیا تھا،اس لیے جب مغیرہ منصورہ پہنچا تو مضری مزاحم ہوئے،لیکن پھر اس شرط پر اسے شہر میں داخل ہونے کی اجازت دی کہ وہ مضر کے ساتھ تعصب نہ برتے گا اور جو لوگ یہاں سے نکلنا چاہیں انہیں روکا نہ جائے گا۔مغیرہ نے منظور کر لیا اور بہت سے مضری منصورہ چھوڑ کر چلے گیے،لیکن منصورہ میں داخل ہونے کے بعد مغیرہ نے معاہدہ کے خلاف مضریوں پر سختی شروع کر دی، انہوں نے بھی مقابلہ کیا،مغیرہ کو شکست کھا کر منصورہ چھوڑ دینا پڑا۔داؤد بن یزید کو اس کی خبر ہوئی تو وہ خود منصورہ پہنچا اور مضریوں کو بے دریغ قتل کر کے منصورہ پر قبضہ کر لیا،اس کے بعد اور شہروں کو ان سے چھڑا کر سندھ میں ان کا زور توڑ دیا۔''(۹)

'امین' و 'مامون' کا عہد خلافت:

ہارون رشید کے بعد محمد امین بن ہارون (۱۹۳-۱۹۸ھ/ ۸۰۹-۸۱۳ء خ) نے باپ کی جگہ حاصل کی۔چوں کہ وہ پہلے سے چلی آ رہی خانہ جنگی کی چنگاری کو سرد کرنے میں آخر تک لڑتے رہے۔وہ اس مہم میں کامیابی سے ہمکنار ہونے ہی والے تھے کہ سازش کا شکار ہو کر قتل کر دیئے گئے۔ان کے بعد عبداللہ بن ہارون الملقب بہ مامون (۱۹۸-۲۱۸ھ/ ۸۱۳-۸۳۳ء خ) تخت خلافت پر مسند نشیں ہوئے۔اس وقت تک داؤد مہلبی ہی 'سندھ' کے گورنر رہے۔انہوں نے یہاں بیس سال حکومت کی۔۲۰۵ھ میں ان کا انتقال ہو گیا تو ان کے لڑکے بشر بن داؤد مہلبی کو مامون رشید نے اس شرط پر 'سندھ' کی ولایت سونپی کہ وہ سالانہ دس لاکھ درہم خراج خلافت کو روانہ کریں گے۔چند سالوں تک تو وہ اس شرط پر عمل کرتے رہے، مگر بعد میں وہ بغاوت پر اتر آئے۔اس حکم عدولی کے جرم میں ان کی سرزنش کے لیے ۲۱۲ھ میں حاجب بن صالح کو بھیجا گیا۔وہ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود یہاں حکومت نہ کر سکے اور نہ بشر کو 'سندھ' سے نکال سکے۔آخر میں 'سندھ' کی ولایت غسان بن عباد کو سونپی گئی۔وہ اپنے بھائی محمد بن عباد کو لے کر موسیٰ بن یحیٰ خالد برمکی کے ساتھ یہاں آئے۔غسان کے منصورہ پہنچنے کے ساتھ ہی بشر نے بغیر کسی عذر اور مزاحمت کے اطاعت قبول کر لی۔تاہم غسان نے انہیں نظر بند کر دیا۔یہاں چند مہینے رہ کر انہوں نے حالات کو قابل اطمینان بنا دیا اور ۲۱۶ھ میں وہ یہاں سے لوٹ کر بغداد چلے گئے۔انہوں نے جانے سے قبل یہاں کا چارج موسیٰ بن یحیٰ بن خالد برمکی کے سپرد کر دیا۔ان کا قیام بھی 'سندھ' کے لیے سازگار ثابت ہوا۔

موسیٰ بن یحییٰ برمکی کی اسلامی حمیت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب غسان 'سندھ' آئے تو ایک ہندو راجہ نے جس کا نام 'بالا' تھا، غسان کو بہ نظر تحقیر اپنے دربار میں طلب کیا۔ مگر وہ اس سے محترز رہے۔ راجہ کی یہ حرکت برمکی کو اچھی نہ لگی۔ انہوں نے اسے اپنی حمیت کے خلاف سمجھا۔ غسان کے یہاں سے چلے جانے کے بعد برمکی نے راجہ کے غرور کو توڑنے کے لئے اس پر فوج کشی کی۔ دونوں میں جنگ ہوئی۔ بالآخر راجہ مارا گیا۔ (۱۰)

اس زمانے کا سب سے بڑا المیہ یہ ہوا کہ فضل بن ماہان نے 'سندھ' کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا اور بڑی چالاکی سے خلیفہ مامون سے اس کی توثیق کرا لی۔ آگے چل کر یہ خود مختار علاقہ عباسی خلفا کے لیے ایک بڑے چیلنج کی صورت میں ظاہر ہوا اور بالآخر عباسی خلافت سے 'سندھ' کا تعلق منقطع ہو گیا۔

بعد کے عباسی خلفاء- کامیابی و ناکامی کی داستان:

ابو اسحٰق محمد بن ہارون الملقب بہ معتصم باللہ (۲۱۸-۲۲۷ھ/ ۸۳۳-۸۴۱ء خ) کے ابتدائی عہد یعنی ۲۲۱ھ تک موسیٰ بن یحییٰ خالد برمکی ہی 'سندھ' کے والی رہے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے عمران بن موسیٰ کو باپ کی جگہ نیابت سونپی۔ انہوں نے ہر جگہ امن و امان قائم کیا اور ان جاٹوں کو سزائیں دیں جو موقع پاتے ہی بغاوت پر اتر آتے اور ملک میں خوف و ہراس پیدا کر دیتے تھے۔ ان لوگوں کی مستقل نگرانی اور کنٹرول کے لیے انہوں نے ایک چھاؤنی بنوائی جس کا نام 'بیضا' رکھا۔ سخت نگرانی کے باوجود عمران کے پورے عہد میں یہاں کے ہندو، مسلمان، جاٹ اور 'مید' قومیں موقع ملتے ہی بغاوت و سرکشی پر اتر آتے تھے۔ لیکن عمران نے بھی ان لوگوں کا سختی و مستعدی سے مقابلہ کیا۔ اس عرصہ میں اگر یمنی اور حجازی کا جھگڑا پیدا نہ ہوتا تو ان کا عہد بہت شاندار ثابت ہوتا۔ مگر اسی قبائلی جھگڑے نے عمران کو موت کی نیند سلا دیا۔ عمران کی شہادت کے بعد پھر مید قوم نے سر اٹھایا اور امرا نے مختلف قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

عمران کے بعد ۲۲۶ھ میں عنبسہ بن اسحٰق ضبی کو 'سندھ' کا والی مقرر کئے گئے۔ انہوں نے اپنی حکمت عملی سے یہاں کے لوگوں کو مطمئن کر دیا اور خانہ جنگی پر پوری طرح قابو پا لیا۔ یہاں تک کہ ملک میں امن و امان کی بحالی کے لیے عمران کے قاتل عمر ہباری سے بھی کوئی مواخذہ نہ کیا۔ جو لوگ قلعہ دبا بیٹھے تھے انہیں اطاعت کی دعوت دی۔ وہ لوگ مطیع بھی ہوئے۔ ایک شخص جس کا نام عثمان تھا اس نے اس سے گریز کیا۔ اس کے ساتھ مسلسل ۹ سالوں تک جنگ جاری رہی۔ کامیابی حاصل کرنے کے بعد ہی انہوں نے سانس لیا۔ اس فتح کے ساتھ ہی ان کا رعب 'سندھ' میں قائم ہو گیا اور لوگ ان سے خائف رہنے لگے۔

معتصم کے بعد ابو جعفر ہارون الملقب بہ واثق باللہ (۲۲۷-۲۳۲ھ/ ۸۴۱-۸۴۷ء خ) کے زمانہ تک عنبسہ نے 'سندھ' میں کامیابی کے ساتھ حکومت کی۔ جعفر بن معتصم الملقب بہ متوکل علی اللہ (۲۳۲-۲۴۷ھ/ ۸۴۷-۸۶۱ء خ) کے ابتدائی

دو تین سالوں تک وہ یہیں رہے۔ متوکل کے زمانہ خلافت میں ان کو معزول کر دیا گیا۔ ان کی جگہ ہارون بن ابی خالد کو یہاں بھیجا گیا۔ خلیفہ کا یہ فیصلہ غلط ثابت ہوا۔ بقول سید ابوظفر ندوی:

''اس نے حجازیوں اور یمنیوں کا توازن قائم نہیں رکھا۔ اس کا خطرناک نتیجہ یہ نکلا کہ ۲۴۰ھ میں حجازیوں کے سردار عمر بن عبدالعزیز ہباری نے ہارون کا قتل کر دیا اور شہر پر قبضہ کر کے خلیفہ متوکل سے یہ درخواست کی کہ سندھ کا صوبہ اس کے سپرد ہو تو اس کا بہترین انتظام کرے گا، چنانچہ خلیفہ متوکل نے اس کی درخواست قبول کر لی۔'' (۱۱)

متوکل کے بعد محمد بن جعفر الملقب بہ منتصر باللہ (۲۴۷-۲۴۸ھ/ ۸۶۱-۸۶۲ء خ)، احمد بن محمد بن معتصم الملقب بہ مستعین باللہ (۲۴۸-۲۵۱ھ/۸۶۲-۸۶۵ء خ)، ابوعبداللہ محمد بن جعفر الملقب بہ معتز باللہ (۲۵۱-۲۵۵ھ/ ۸۶۵-۸۶۹ء خ) اور ابوعبداللہ محمد بن واثق الملقب بہ مہتدی باللہ (۲۵۵-۲۵۶ھ/ ۸۶۹-۸۷۰ء خ) یکے بعد دیگرے مختصر مدت کے لئے خلیفہ ہوئے۔ افراتفری کی وجہ سے عباسی خلفاء کو اتنی مہلت نہ ملی کہ وہ 'سندھ' کی طرف باضابطہ توجہ کر سکیں۔ اس طویل مدت میں عمر بن عبدالعزیز یہاں بے فکری سے حکومت کرتے رہے۔ انہوں نے اپنے اصل وطن 'بانیہ' سے نکل کر 'منصورہ' کو پایہ تخت بنایا۔ اپنی ماتحتی و تابعداری کا دم بھرنے کے لئے گاہے بگاہے تحفے تحائف اور خطوط ہر نئے آنے والے خلیفہ کی خدمت میں بھیجتے اور انہیں یہاں کے حالات سے مطمئن کرتے رہے۔ یہ بہت چاک و چوبند اور ملکی و خارجی سیاست کے ماہر آدمی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مرکز سے بے تعلق رہنے کے باوجود انہوں نے 'سندھ' میں بہترین نیابت کی اور ایسا بہت ہی کم ہوا کہ مقامی باشندوں اور غیر مسلم راجاؤں نے سرکشی و بغاوت کرنے کی جرأت کی۔ مگر جب ابوالعباس احمد بن متوکل الملقب بہ معتمد باللہ (۲۵۶-۲۷۹ھ/ ۸۷۰-۸۹۲ء خ) خلیفہ ہوئے تو اندرونی خلفشار جو مرکز میں پیدا ہو گیا تھا، پر کسی حد تک قابو پانے کے بعد 'سندھ' کی طرف متوجہ ہوئے۔ ۲۵۷ھ میں انہوں نے یعقوب بن لیث صفاری کو ترکستان، سجستان و مکران کے ساتھ 'سندھ' کی ولایت بھی سونپی۔ اس وقت عمر بن عبدالعزیز ہباری نے مصلحتاً ماتحتی اختیار کی اور اس طرح وہ ۲۷۰ھ تک 'سندھ' پر حکومت کرتے رہے۔ (۱۲)

عمر بن عبدالعزیز ہباری کے انتقال کے بعد ان کا لڑکا عبداللہ بن عمر عبدالعزیز ہباری موروثی تخت پر متمکن ہوئے۔ ۲۷۹ھ میں صمہ غلام بنی کندہ (جو عمر بن حفص کے ساتھ سندھ آئے تھے) نے 'منصورہ' کو اپنے قبضہ میں کر کے حکومت کرنا شروع کر دیا۔ کچھ دنوں بعد جب عبداللہ کی طاقت مستحکم ہو گئی تو انہوں نے ان سے جنگ کر کے دوبارہ 'منصورہ' کو حاصل کر لیا۔ مگر اسی کے ساتھ ہی 'سندھ' دو حصوں میں بٹ گیا۔ 'منصورہ' پر تو عبداللہ قابض رہے، لیکن 'ملتان' میں بنو سامہ (جو یہاں پہلے سے آباد اور بڑے مضبوط و مستحکم تھے) نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ یہ ۲۹۰ھ کی بات ہے۔

عبداللہ بن ہباری کی حکومت 'سندھ' میں تقریباً تیس سال تک رہی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک 'سندھ' کا

تعلق کسی نہ کسی طرح بغداد سے قائم رہا۔ کیوں کہ معتضد باللہ بن موفق (۲۷۹-۲۸۹ھ/۸۹۲-۹۰۲ء خ) کے زمانہ میں جب ’دیبل‘ میں شدید زلزلہ آیا تو اس حادثہ میں بڑی تعداد میں لوگ شہید ہوگئے۔ اس کی اطلاع خلیفہ کو دی گئی۔

عبداللہ بن عمر ہباری کے بعد ۳۰۲ھ میں ان کا لڑکا عمر بن عبداللہ کنیت ابومنذر نے ’منصورہ‘ کے تخت کو رونق بخشا۔ انہوں نے بھی بڑی شان سے یہاں حکومت کی۔ ان کے بعد یکے بعد دیگرے کئی بادشاہ ۳۷۵ھ تک سریر آراء سلطنت ہوئے۔ اس حکومت کا قلعہ قمع ۴۱۶ھ میں ہوا۔ اس خاندان کے اور دوسرے حکم رانوں کے کارناموں اور سندھ میں ان کی کامیابی کے اثرات کی وضاحت کرتے ہوئے سید ابوظفر ندوی لکھتے ہیں:

’’اس نے ملک میں امن وامان کے ساتھ بڑا رعب قائم کرلیا بڑی شان وشوکت سے سلطنت کرتا رہا۔ اس کا ایک وزیر بھی تھا، جس کا نام ’ریاح‘ تھا اور اس کے دولڑکے محمد اور علی تھے۔ اراکین دولت میں سے ایک شخص حمزہ نامی بڑا بااثر غالباً امیر الامرا کے عہدے پر فائز تھا۔ یہ ایک عرب خان دان کا معزز شخص تھا۔ یہاں سادات کی ایک بڑی جماعت رہتی تھی، جو عمر بن علی اور محمد بن علی کی طرف منسوب تھی۔ یہاں ایک قاضی بھی رہتا تھا جو آل ابی الشوارب کے خاندان سے تھا۔ شاہی خاندان کے ساتھ اس خاندان کا بڑا تعلق تھا۔ کیوں کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رشتے ناطے بھی ہوتے تھے۔‘‘ (۱۴)

ایک نئے فرقہ کا ظہور:

عبداللہ ہباری کے زمانہ میں ہی ایک نیا فتنہ ’اسمٰعیلی شیعہ‘ فرقہ کی شکل میں ظاہر ہوا۔ یہ لوگ مصر اور شمالی افریقہ کے علاقے میں اپنا اثر ورسوخ بڑھا کر دوسرے کئی اہم علاقوں پر قابض ہوگئے اور اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے مبلغین کو مختلف ملکوں میں بھیجنے لگے تھے۔ اسی عہد میں اسماعیلی شیعہ کا ایک داعی ’ہیثم‘ ’’سندھ‘‘ آیا۔ اس کا مشن ’منصورہ‘ اور اس کے اردگرد کے علاقوں میں کامیاب نہ ہوسکا۔ بالآخر وہ ’ملتان‘ پہنچا۔ یہاں بنی سامہ کے خان دان کے لوگ حکم رانی کررہے تھے۔ یہیں وہ اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے کئی مبلغ یہاں آئے اور ملک کو انقلاب کے لیے تیار کرتے رہے۔ آخر میں جلم بن شیبان کو فوجی مدد کے ساتھ ’سندھ‘ بھیجا گیا۔ اس نے بنوسامہ قریشی سے ۳۶۷ھ میں حکومت چھین لی اور خود حکومت کرنے لگا۔ (۱۵) یہاں کا پہلا اسماعیلی حاکم جلم بن شیبان ہوا۔ (۱۶) وہ اپنے مذہب کی توسیع وترقی کے لیے اپنے ہمسایہ ہندو راجاؤں سے بھی ربط ضبط بڑھانے لگا تھا۔ حکم کے بعد شیخ حمید ۳۷۵ھ میں ملتان کے تخت پر بیٹھا۔ پھر شیخ نصر (م ۳۹۰ھ) اس کے بعد اس کا لڑکا ابوالفتوح داؤ یہاں کا حاکم ہوا۔ (۱۷)

راجاؤں مہاراجاؤں اور اونچے طبقوں کا اسلام سے دل چسپی:

یہ تفصیل طلب بحث ہے کہ سندھی عوام نے ان ادوار میں جو اسلام قبول کیا ان کی تعداد کتنی ہے۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا

ہے کہ عرب حکم راں جہاں بھی گئے، اس کے اچھے اثرات مقامی باشندوں پر پڑے۔اس کا آخری ثمرہ قبول اسلام کی شکل میں ظاہر ہوتا تھا۔قطع نظر اس کے یہاں پر ان راجاؤں مہاراجاؤں اور ان لوگوں کا ذکر کیا جائے گا جنہوں نے مسلمانوں کے اوصاف حمیدہ سے متاثر ہوکر ان کی عزت وتوقیر کی اور خلفائے اسلام کی خدمت میں اپنی عقیدت ومحبت کے نذرانے بھیج کر اسلام کی حمایت اور اس سے اپنی قربت کا اظہار کیا۔اس سے بعض دوسرے لوگوں کی بھی اسلام سے دلچسپی بڑھ جاتی تھی۔

حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں عبداللہ بن سوار عبدی نے قیقان (گیگان) پر فتح پائی تو یہاں کے راجہ نے فدیہ ادا کر کے اپنے قیدی چھڑائے۔پھر اس نے عبداللہ بن سوار عبدی کے پاس ہدیہ میں ہندوستان کے ایسے ایسے عجائب اور عمدہ عمدہ سامان بھیجے کہ ان کی مثال اس زمانے میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔انہیں میں سے ایک آئینہ کا ٹکڑا تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد بہت زیادہ ہوکر زمین پر پھیل گئی تو اس کو اللہ نے اتارا۔حضرت آدم اس آئینہ میں جس اولاد کو دیکھنا چاہتے تھے دیکھ لیا کرتے تھے۔اس کو عبداللہ بن سوار عبدی نے حضرت معاویہ کی خدمت میں روانہ کر دیا جو منتقل ہوتے ہوتے عباسی خلفا کی ملکیت میں آ گیا۔(۱۸)

ہشام بن عبدالملک کے دور خلافت میں 'سندھ' کے والی جنید بن عبدالرحمٰن مری کے پاس ہندوستان کے ایک راجہ نے جواہر سے مرصع ایک اونٹنی بھیجی۔اس کے تھن میں موتی اور گردن میں سرخ یاقوت بھرا ہوا تھا۔یہ اونٹنی چاندی کی ایک گاڑی پر تھی جب وہ زمین پر رکھ دی جاتی تو خود بخود حرکت کرنے لگتی تھی۔جنید نے یہ تحفہ ہشام کی خدمت میں روانہ کر دیا جسے اس نے بہت پسند کیا۔(۱۹)

خلیفہ منصور عباسی کے عہد میں ہشام بن عمر تغلبی نے ہندوستان پر حملہ کیا اور 'سندھ' کو عبور کر کے قندھار (کندھار ضلع بھروچ واقع گجرات) تک آئے۔انہوں نے یہاں لوہے کا ایک بہت موٹا مینار پایا جو ایک سو ہاتھ لمبا تھا۔انہوں نے مقامی لوگوں سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ ابنائے فارس کی وہ تلواریں ہیں جن کی مدد سے انہوں نے تبع حمیری کے ساتھ حملہ کر کے ملک کو فتح کیا تھا۔فتح کے بعد انہوں نے اپنی تلواریں اکٹھا کر کے توڑ دیا۔انہی ٹوٹی ہوئی تلواروں سے یہ مینار بنایا گیا ہے۔(۲۰)

راجہ رہمی جو اگرچہ بنگال کا راجہ تھا۔وہ عباسی خلیفہ مامون کے عہد میں تھا۔اسے جب اسلام کے اخلاقی، دینی، مذہبی اور معاشرتی اوصاف کا علم ہوا تو وہ خلیفہ سے اپنے تعلقات قائم کیے اور خطوط وتحائف بھیج کر اسلام سے قربت کا اظہار کیا۔(۲۱)

۲۵۹ھ میں 'سندھ' کا ایک راجہ مسلمان ہوا اور اس نے کعبہ کے لیے سونے کا ایک طوق ہدیہ بھیجا جس کا وزن ایک سو مثقال تھا۔راجہ نے یہ ہدیہ کعبہ کے خدام کے پاس بھیجا تو انہوں نے خلیفہ معتمد کو اس کی اطلاع دی۔معتمد نے لکھا کہ اس کو دوسرے ہدایا کے ساتھ کعبے میں آویزاں کر دیا جائے۔(۲۲)

۲۷۸ھ میں الور کا راجہ مہرون بن رائق نے عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز ہباری کو خط لکھا کہ مجھے اسلامی تعلیمات سمجھائیے۔ انہوں نے ایک عالم کو الور بھیج دیا۔ انہوں نے اسے قرآن حکیم کی تعلیم دی اور اس کے لیے ہندی زبان میں اس کی تفسیر لکھی۔ اس طرح تین سال تک اسے اسلامی احکام سکھاتے رہے۔ آخر میں راجہ مسلمان ہوگیا۔ مگر ملکی مصالح کی وجہ سے اسلام کا اظہار نہ کرسکا۔ راجہ نے اپنے اس استاذ کو دولت اسلام حاصل ہونے کی خوشی میں کئی من سونے سے نوازا تھا۔ (۲۳)

علامہ بلاذری نے پنجاب کے ایک راجہ کے قبول اسلام کا واقعہ لکھا ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ 'کابل' اور 'ملتان' کے بیچ میں ایک شہر عیشقان (اسیوان) تھا۔ وہاں ایک راجہ حکومت کرتا تھا۔ اس کے پاس ایک بیٹا تھا۔ ایک مرتبہ وہ سخت بیمار پڑا۔ اس نے مندروں کے پجاریوں کو بلا کر کہا کہ اس کی سلامتی کے لیے دعاء کرو۔ پجاریوں نے دوسرے دن آکر کہا کہ ہم لوگوں نے دعاء کی ہے اور دیوتا نے اس کی شفایابی اور زندگی کا وعدہ کیا ہے۔ اتفاق سے وہ لڑکا تھوڑی ہی دیر کے بعد مرگیا۔ اس حادثہ سے راجہ کو سخت صدمہ ہوا۔ وہ اسی وقت اٹھا اور مندروں کو ڈھادیا اور پجاریوں کا قتل کردیا۔ پھر شہر میں جو مسلمان سوداگر تھے ان کو بلوا کر ان کے مذہب کا حال دریافت کیا جس کو سن کر وہ بہت مرعوب ہوا یہاں تک کہ اس نے اسلام قبول کرلیا۔ (۲۴)

مذہب کی سچائی پر بین المذاہب مناظرہ:

عربوں کے زمانہ قیام میں غیر مسلموں کو یہاں تک آزادی حاصل تھی کہ وہ جب اور جس وقت چاہیں اپنے مذہب کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لیے مسلمان علماء اور فلاسفہ سے مذہبی اور علمی مناظرہ کریں اور دلائل و براہین کے ذریعہ جس مذہب کی فضیلت ثابت ہو، اسے قبول کریں۔ عباسی عہد میں ایسے کئی مناظرے ہوئے۔ اس طرح کی ایک مناظرانہ سرگرمی کا ذکر کرتے ہوئے سید سلیمان ندویؒ (۱۳۰۲-۱۳۷۳ھ/۱۸۸۴-۱۹۶۳ء) لکھتے ہیں:

''ہارون رشید کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ ہندوستان کے کسی راجہ نے ہارون رشید کو کہلا بھیجا کہ'' آپ اپنے مذہب کے کسی عالم کو میرے پاس بھیج دیجیے جو مجھ کو اسلام سے آگاہ کرے اور میرے سامنے میرے ایک پنڈت سے بحث کرے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ سندھ کے کسی راجہ کے یہاں ایک بدھ مذہب کا فاضل پنڈت تھا اس نے راجہ کو آمادہ کیا تھا کہ تلوار کے سوا آپ کے پاس آپ کے مذہب کی سچائی کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگر آپ کو اپنے دھرم کی سچائی کا یقین ہو تو اپنے ہاں کے کسی عالم کو بھیجئے جو میرے ایک پنڈت سے آکر بحث کرے۔ خلیفہ نے ایک مقدس محدث عالم کو اس کام کے لیے بھیج دیا۔ پنڈت نے جب عقلی اعتراضات شروع کیے تو ملا نے جواب میں حدیثیں پیش کرنی شروع کیں۔ پنڈت نے کہا یہ تو ان کے لیے سند ہیں جو تمہارے مذہب کو مانتے ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ پنڈت نے پوچھا کہ تمہارا خدا اگر ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے تو کیا اپنی جیسی کسی ہستی کے بنانے پر بھی اس کو

قدرت ہے ان بھولے بھالے عالم صاحب نے کہا اس قسم کی باتوں کا جواب دینا ہمارا کام نہیں ہے۔ یہ علم کلام والوں کا کام ہے۔ راجہ نے ان عالم صاحب کو واپس کیا اور ہارون رشید کو کہلا بھیجا کہ پہلے تو بزرگوں کے کہنے سے مجھے معلوم ہوا اور اب اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین ہوگیا کہ آپ کے پاس آپ کے مذہب کی سچائی کی کوئی دلیل نہیں۔ خلیفہ نے کلام والوں کو بلوا کر یہ مسلہ ان کے سامنے پیش کیا۔ اس جماعت کے ایک کمسن بچہ نے اٹھ کر کہا ''امیر المومنین یہ اعتراض لغو ہے، اللہ تو وہ ہے جس کو نہ کسی نے بنایا، نہ پیدا کیا، وہ مخلوق نہ ہو۔ اب اگر وہ اپنے ہی جیسے کسی دوسرے کو پیدا کرے گا تو وہ اس جیسا ہو نہیں سکتا کیوں کہ وہ بہر حال اس کا مخلوق ہی ہوگا۔ پھر یہ کہ بعینہ خدا کسی طرح کیسی دوسری ہستی ہوسکتا خدا کی توہین ہے اور خدا اپنی توہین وتحقیر پر جو محال ہے قدرت نہیں رکھتا۔ یہ سوال کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ خدا جاہل ہوسکتا ہے ؟ خدا مرسکتا ہے؟ خدا کھا سکتا ہے؟ یا پی سکتا ہے؟ یا سوسکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ان میں سے خدا کچھ نہیں کرسکتا ہے، کہ یہ سب اس کی ذات کی شان کے خلاف ہے۔ یہ جواب سب نے پسند کیا اور خلیفہ نے چاہا کہ اس پنڈت کے مقابلہ کے لیے اسی لڑکے کو ہندوستان بھیجا جائے، مگر تجربہ کاروں نے عرض کی کہ حضور یہ بہر حال بچہ ہے، ایک جواب بن آیا تو ضروری نہیں کہ سب جواب بن آئے، چنانچہ ایک دوسرے مشہور متکلم کو خلیفہ نے چن کر ہندوستان بھیجا، ایک روایت میں ہے کہ وہ بدھ اس متکلم سے کبھی مناظرہ کر چکا تھا اور شکست کھا چکا تھا اور دوسری روایت میں ہے کہ اس نے راستہ ہی میں ایک آدمی کو بھیج کر پتہ چلایا کہ یہ صرف مذہبی ملا ہے یا عقلیات سے بھی واقف ہے۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ وہ عقلیات کا بڑا فاضل ہے تو پھر دونوں روایتوں میں ہے کہ اس پنڈت نے اس کے مقابلہ میں اپنے کو کمزور پاکر اس سے پہلے کہ وہ مسلمان مناظر راجہ کے دربار میں پہنچے راستہ ہی میں اس کو زہر دلوا دیا۔''(۲۵)

خلفائے عباسی کے اثرات:

عباسی خلفا کی تعداد اموی خلفا سے کہیں زیادہ ہے اور ان کا زمانہ حکومت بھی طویل ہے۔ اس لیے ان تمام کے حالات، مدت حکومت اور خدمات کے علاوہ ان کی طرف سے عمال وحکام نے 'سندھ' میں جو فتوحات کیں اور ملک میں امن وامان بحال کرنے کے ساتھ اسلام کی اشاعت اور علوم اسلامیہ کے فروغ کے لیے جو اقدامات کئے، اسے تفصیل سے بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ لیکن یہ بات بھی درست ہے کہ خلفائے عباسی کو یہاں بنا بنایا ماحول ملا، جس کی وجہ سے انہیں یہاں کامیابی حاصل کرنے میں وہ دشواریاں پیش نہیں آئیں، جن کا سامنا اموی خلفا کی طرف سے بھیجے گئے عمال وحکام کو کرنا پڑا تھا۔ یہ بھی درست ہے کہ عباسی خلفاء کا تعلق یہاں سے ابتدائی چند برسوں تک گہرا رہا اور وہ جس طرح دوسرے ملکوں اور ریاستوں کو اسلامی قلمرو میں شامل کرنے کی فکر اور کوشش کرتے تھے، اسی طرح یہاں کی فکر بھی ان کے دامن گیر رہی۔ مگر بعد

کے عہد میں جب عباسی خلفاء آپسی چپقلش اور خلفشار کا شکار ہوئے تو ان کا تعلق یہاں سے برائے نام ہی رہ گیا۔ چوں کہ اس وقت تک یہاں اسلام اپنا قدم جما چکا تھا، یہاں کے لوگوں پوزیشن بڑی حد تک مستحکم ہو چکی تھی۔ اس وجہ سے خلفائے عباسی کا تعلق یہاں سے کم زور ہونے کے باوجود کوئی خاص معنی نہیں رکھتا اور بحیثیت مسلمان وہ اپنے دینی مذہبی، سماجی، معاشرتی، اور تبلیغی امور میں سرگرم و متحرک رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد میں اسلام کو یہاں جو تقویت حاصل ہوئی اس کے اثرات بعد کے دوسرے سلاطین کے زمانہ تک قائم رہے۔ اس کی وجہ سے انہیں کم از کم اپنے مسلمان رعایا سے کسی بڑی بغاوت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ مگر چوں کہ خلفائے عباسی کا تعلق کم زور ہونے کے بعد یہاں ہندو راجاؤں کا اثر و رسوخ دوبارہ بحال ہو گیا تھا، جس کو توڑنے کے لیے ان مسلم سلاطین کو جنگ و جدال کرنی پڑی جو 'درہ خیبر' کی راہ سے ہندوستان میں داخل ہوئے تھے۔ مثلاً محمود غزنوی وغیرہ۔

یہ ہندو راجا مہاراجا جو بعد کے عہد میں ملک کے بعض حصے کو دبا بیٹھے تھے، اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ 'سندھ' دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ ایک کا تعلق 'منصورہ' سے تھا اور دوسرے کا 'ملتان' سے۔ یہاں جو لوگ حکومت کر رہے تھے وہ ایک سوچی سمجھی پالیسی کے تحت آئے تھے۔ یہ لوگ شروع میں کم تھے، اس لیے اپنی طاقت کو بڑھانے کے لیے یہاں کے غیر مسلموں کا تعاون حاصل کیا۔ جس کی وجہ سے 'ملتان' اور دوسرے ملحق علاقوں پر ہندو برسر اقتدار نظر آنے لگے۔ شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

> ''فتح سندھ کے ساتھ ستر سال بعد تک تو عرب فاتحین کا پلہ بھاری رہا، لیکن اب ان میں یمنی اور حجازی جھگڑا شروع ہو گیا جس نے عرب حکومت کو کمزور کر دیا۔ جب عرب حاکم اپنے قبائلی اختلافات میں الجھے ہوئے تھے تو مقامی قوموں نے سر اٹھایا، چنانچہ شمالی سندھ میں جاٹوں نے اور جنوب میں مید قوم کے لوگوں نے بغاوتیں کیں، اور ملک کے بعض حصے خود مختار ہو گیے۔ آہستہ آہستہ خلیفہ بغداد کا اس دور افتادہ مملکت سے برائے نام تعلق رہ گیا اور ۸۵۴ء میں ہباری خاندان کی موروثی حکومت شروع ہوئی جو ابتداء میں تمام مقبوضہ ممالک پر حکمراں تھا، لیکن ۹۰۲ء میں ملتان کے بنو سامہ نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا اور اس وقت سے عرب مقبوضات ملتان اور منصورہ کی خود مختار ریاستوں میں منقسم ہو گیے، اسی درمیان میں روہڑی کے قریب ہندوؤں نے اپنی ریاست قائم کر لی، چنانچہ ملتان اور منصورہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گیے، ریاست ملتان کے تابع بالائی (شمالی) سندھ کا علاقہ تھا اور منصورہ کے زیرنگیں زیریں (جنوبی) سندھ کا۔''(۲۶)

'سندھ' میں جو عمال و حکام اور امرا آئے ان کا تعلق براہ راست عراق و بغداد سے تھا اور تمام فتوحات و کامرانیاں ان کی ذاتی دل چسپیوں کا ثمرہ تھا۔ مگر جب عباسی خلفا کی طاقت کم زور پڑ گئی تو جگہ جگہ خود مختار ریاستیں وجود میں آئیں۔ ان خود مختار ریاستوں میں دولت ہباریہ اور دولت سامانیہ کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان کے علاوہ بھی یہاں کئی خود مختار مسلم ریاستیں قائم ہو گئی

تھیں جو اگرچہ بہت مختصر علاقے میں محدود تھیں، مگر اسلام کو استحکام دے کر ان ریاستوں نے تاریخ میں اپنی جگہ بنائی ہے۔اس کے نقوش تابندہ کے اثرات بعد کے زمانہ میں بھی پڑے۔قاضی اظہر مبارک پوریؒ (۱۳۳۴-۱۴۱۷ھ/ ۱۹۱۶-۱۹۹۶ء) لکھتے ہیں:

''دولت ماہانیہ سنجان کے قیام ۱۹۸ھ/۸۱۳ء سے لے کر دولت معدانیہ مکران اور دولت متغلبہ طوران کے خاتمہ ۴۷۱ھ/ ۱۰۷۸ء تک کی درمیانی مدت جو کم وبیش تین سو سال ہے، ہندوستان میں عرب حکم رانوں کی حکومت کا زمانہ ہے، جس میں خلافت عباسیہ کی ماتحتی میں ان حکومتوں کو یہاں قیام وثبات ملا۔اس مدت میں ان حکومتوں نے ہندوستان میں اسلامی علوم وفنون اور اسلامی تہذیب وثقافت کے لیے نہ صرف زمین ہموار کی بلکہ اس چمن کی آبیاری اور تختہ بندی بھی کی اور ہندوستان کو عالم اسلام کا ایک قابل قدر حصہ بنایا۔جب دولت غزنویہ (۳۶۶ھ-۵۷۸ھ/ ۹۷۶ء-۱۱۸۲ء) نے ان پر قبضہ کیا تو اسے یہاں سجا سجایا گلستاں ملا اور اس نے ''نقاش نقش ثانی بہتر کشید زوال'' کے اصول پر ہندوستان میں بڑی شان دار اور کامیاب حکومت کی، جس سے مشرقی عالم اسلام میں ہندوستان کو بڑی اہمیت وعظمت حاصل ہوئی۔اس کے بعد دولت غزنویہ کے زوال کے نتیجہ میں دولت غوریہ کا ظہور ہوا، جس نے عربوں اور غزنویوں دونوں کے ساختہ وپرداختہ گلستان ہند کی وراثت سنبھالی اور ۶۰۴ھ/ ۱۲۰۷ء تک اس ملک میں اسلامی علوم وحضارت اور دینی ذہن ومزاج کے نمائندے کی حیثیت سے اپنے ذوق کے مطابق کام کیا۔الغرض عجم کی دولت غزنویہ ہو کہ دولت غوریہ دونوں نے دولت عربیہ کی جانشینی اور وراثت پا کر یہاں حکومت کی اور عربوں کے ادھورے خاکے میں رنگ بھرا۔''

ان لوگوں ں نے علاقوں اور دلوں کو فتح کرنے کے ساتھ اس بات کی بھی فکر کی کہ جنھوں نے اسلام قبول کیا ہے، ان کی تعلیم وتربیت اور معاشرہ کی فلاح وتعمیر کے لئے مدارس ومکاتب قائم کیا جائے۔اس طرح اسلام اور اسلامی علوم وفنوں کی بھی اشاعت ہوگی۔درج ذیل سطور ان کی انہیں کوششوں اور سرگرمیوں کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

تعلیم وتعلم کی ابتدائی درس گاہیں:

عرب فاتحین نے حتی الامکان اس بات کی کوشش کی کہ جہاں بھی فتح وکامرانی حاصل کی جائے وہاں مسلمانوں کو آباد کرنے کے ساتھ مسجد ضرور تعمیر کی جائے، تاکہ ادائیگی نماز کے ساتھ درس وتدریس کا شغل جاری رہے۔محمد بن قاسم نے 'دیبل' سے لے کر 'ملتان' تک مختلف علاقوں میں مسجدیں تعمیر کروائیں اور اسلامی شعائر کو زندہ کیا۔انہوں نے ایک مسجد 'دیبل' کی فتح کے بعد تعمیر کروائی اور وہاں چار ہزار مسلمانوں کو بسایا۔(۲۷) غالبا آخری مسجد انہوں نے 'ملتان' میں تعمیر کروائی، جسے جلم بن شیبان اسماعیلی شیعہ حاکم نے بند کروادیا تھا۔(۲۸) اسی طرح ایک مسجد 'الور' میں بھی تعمیر کروائی۔اس کے خطیب موسیٰ

بن یعقوب ثقفی مقرر ہوئے تھے۔(۲۹) بعض روایتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ محمد بن قاسم نے مال غنیمت کے خمس سے ہر شہر اور قصبے میں مسجدیں تعمیر کروائیں اور ضرورت محسوس کی تو ان مسجدوں کو آباد رکھنے کے لیے بڑی تعداد میں مسلمانوں کو بھی وہاں بسایا۔(۳۰) ان مساجد کے بارے میں پروفیسر محمد اسلم لکھتے ہیں کہ محمد بن قاسم نے 'سندھ' کے طول وعرض میں جو مساجد تعمیر کروائی تھیں، ان کی واپسی کے بعد وہاں علوم اسلامیہ کا درس شروع ہو گیا تھا اور یہاں سے ایسے باکمال عالم پڑھ کر نکلے جنہوں نے دنیاءِ اسلام میں اپنی عظمت کا لوہا منوایا۔(۳۱)

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو ان کی دعوت پر بہت سے راجاؤں مہاراجاؤں اور مقامی باشندوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کی تعلیم وتربیت کے لئے خلیفہ نے عمدہ نظم کیا۔ اپنے ماتحت گورنر کو حکم دیا کہ جگہ جگہ مسجدیں تعمیر کریں اور ان میں آئمہ وخطیب مقرر کریں۔ ابن بطوطہ (۷۰۳-۷۷۹ھ/۱۳۰۴-۱۳۷۷ء) سیاحت کرتے ہوئے 'سیہون' پہنچے تو وہاں کے خطیب نے انہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ایک فرمان دکھایا۔ اس میں ان کے جداعلیٰ الشیبانی کو جامع مسجد سیہون کا خطیب مقرر کیے جانے کا ذکر تھا۔(۳۲) اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے حکم سے جنید بن عبدالرحمٰن مری نے یہاں اپنے قدم جمائے، جن کے رعب ودبدبہ کا یہاں اچھا اثر پڑا۔(۳۳) انہوں نے ان علاقوں میں دینی وعلمی سرگرمیوں کو فروغ دینے کی بھی سعی کی ہوگی۔

ابو جعفر عبداللہ بن محمد الملقب بہ منصور عباسی کے زمانہ میں 'سندھ' کے گورنر ہشام بن عمر تغلبی نے عمر بن جمل کو 'گجرات' کی مہم پر روانہ کیا۔ انہوں نے 'گندھار' میں ایک مسجد بنوائی (۳۴) غالباً یہ سرزمین ہندوستان کی پہلی مسجد تھی۔ مہدی نے اپنے دور حکومت میں اس بات کی بڑی کوشش کی کہ اسلام کی تبلیغ کی جائے۔ ان کی دعوت پر پندرہ راجاؤں کے اسلام قبول کرنے کا پتہ چلتا ہے۔ انہیں میں ایک 'سندھ' کا راجہ تھا جس کو 'رائے' کہتے تھے اور ایک ہندوستان کا راجہ تھا جس کو 'مہراج' کہتے تھے۔(۳۵) خلیفہ نے ان کی تعلیم وتربیت کی بھی فکر کی ہوگی۔ اس کے لئے انہوں مثبت اقدام کیا ہوگا۔ ہارون بن مہدی الملقب بہ رشید نے اپنے زمانہ خلافت میں فتوحات ہند میں بڑی سرگرمی دکھائی اور اشاعت اسلام کی کوشش کی اور علوم و فنون کو ترقی دی۔ ان کی علماء پروری اور علمی دل چسپی کے ذکر سے تاریخ کے اوراق مزین ہیں۔

۱۹۸ھ/۸۱۳ء میں فضل بن ماہان نے سندان (سنجان) پر قبضہ کیا اور وہاں اپنی خود مختار حکومت قائم کی۔ اس عہد میں یہاں ایک جامع مسجد تعمیر کی گئی جس کے منبر پر خلیفہ مامون کی صحت وعافیت کی دعا کی جاتی تھی۔(۳۶) اس دیار کی یہ دوسری مسجد تھی۔ بعد میں اس علاقے پر ہندوؤں کا قبضہ ہو گیا، مگر مسجد بہ دستور مسلمانوں کے قبضہ وتصرف میں رہی، جسے مدتوں مسلمان آباد کیے رہے۔ اصطخری (م ۳۴۰ھ/۹۵۱ کے قریب) نے ۳۴۰ھ کے قریب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ 'قامہل'، 'سندان'، 'صیمور'، 'کھمبائیت' میں جامع مسجدیں تھیں اور ان میں اسلامی عبادت کھلے عام ادا کی جاتی تھی۔(۳۷)

یاقوت حموی (۵۷۴-۶۲۶ھ/ ۱۱۷۸-۱۲۲۹ء) نے 'صیمور' کے بیان میں تصریح کیا ہے کہ یہاں جامع مسجد تھی جس میں جمعہ کی نماز ہوتی تھی۔(۳۸) نیز انہوں نے' قامہل' کے ذکر میں لکھا ہے کہ یہاں جامع مسجد تھی، جس میں باقاعدہ جمعہ کی نماز ہوتی تھی۔'تھانہ' کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ ان علاقوں میں غیر مسلموں کے ساتھ مسلمان بھی آباد ہیں۔(۳۹) ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی بستیوں میں مسجدیں بھی ہوں گی جہاں لوگ اجتماعی طور پر نماز ادا کرتے ہوں گے اور یہیں سے دینی وشرعی امور کے حل کے ساتھ درس وتدریس کا عمل بھی انجام دیتے ہوں گے۔ جب مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی یہاں موجود تھی تو مسجدوں کے علاوہ مدرسے اور دار العلم بھی قائم کیے گئے ہوں گے۔'تاریخ سندھ' کے مصنف لکھتے ہیں:

''عرب دور حکومت میں مدرسوں کے متعلق تاریخ میں کوئی تذکرہ نظر نہیں آتا۔صرف بساری مقدسی نے اپنے سفرنامہ میں ذکر کیا ہے کہ منصورہ میں قاضی ابومحمد منصوری کا ایک مدرسہ بھی ہے۔جس میں وہ خود بھی درس دیتے تھے۔لیکن یہ بات کسی طرح بھی قرین قیاس نہیں کہ تین سو برس کی حکومت میں تمام صوبہ سندھ اور ملتان میں کوئی مدرسہ سرکاری یا غیر سرکاری قائم نہ کیا گیا ہو۔غالب گمان یہی ہے کہ اس زمانے کے رواج کے مطابق مدارس زیادہ تر مسجدوں میں ہوتے ہوں گے۔''(۴۰)

'سندھ' کے مرکزی شہروں میں 'دیبل' بھی تھا، اسے علمی حیثیت سے بڑی شہرت اور مقبولیت حاصل تھی۔اس کا شمار دنیاءِ اسلام کے عظیم شہروں میں ہوتا تھا۔مشہور جغرافیہ داں یاقوت حموی نے اس شہر کے متعلق لکھا ہے:

''مدینة مشهورة علی ساحل بحر الهند،والدیبل فی الاقلیم الثانی،والیها تقضی میاه لهور وملتان فتصب فی البحر الملح،وقد نسب الیها قوم من رواة،منهم ابو جعفر محمد بن ابراهیم الدیبلی، جاور مکة،روی عن ابی عبدا لله سعید ابن عبدالرحمن المخرومی وحسین بن حسن الزوری وانبه ابراهیم بن محمد الدیبلی ،یروی عن موسیٰ ابن هارون.''(۴۱)

یہاں سے علم وعمل کی قندیلیں روشن ہوئیں تو اس کے دوررس نتائج برآمد ہوئے۔قاضی اطہر مبارک پوری لکھتے ہیں:

''یہاں کے علماء خاص طور سے پورے عالم اسلام سے تعلق رکھتے تھے اور ہر ملک میں ان کی آمدورفت جاری تھی۔یاقوت حموی کا بیان دیبل کے بارے میں گزر چکا ہے کہ شہر دیبل کی جانب حدیث کے راویوں کی ایک جماعت منسوب ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سندھ کا یہ شہر احادیث رسول کا شہر تھا اور یہاں پر احادیث کی تعلیم وروایت عام تھی۔خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں امام خلف بن محمد موازینی دیبلی کے ذکر میں امام علی موسیٰ دیبلی کی درس گاہ کی نشان دہی کی ہے جو دیبل میں تھی اور جس میں امام خلف بن محمد دیبلی نے اپنے شیخ امام علی بن موسیٰ دیبلی سے حدیث پڑھی...... دیبل ساحلی شہر اور ہندوعرب کی تجارت کا بہت اہم مرکز تھا۔اس لیے یہاں کے بعض محدثین تاجر بھی تھے۔چنانچہ ابومحمد حسن بن حامد دیبلی بغدادی جو علم حدیث میں اہم مقام کے مالک تھے، بغداد

کے بڑے تاجروں میں بھی تھے...... چوں کہ دیبل بہت قدیم شہر تھا اس لیے یہاں ہباری حکومت سے پہلے اور اس کے بعد علوم اسلامیہ کا رواج جاری رہا اور بہت سے محدثین ورواۃ حدیث دیبل کے مطلع پر جلوہ افروز ہو کر اپنے دور میں آسمان علم کے شمس وقمر بنے اور پورے عالم اسلام میں خوب چمکے۔''(۴۲)

مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کا ایک بڑا مرکز 'منصورہ' بھی تھا۔ یاقوت حموی نے 'منصورہ' کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے: مدینة كبيرة الخيرات ذات جامع كبير. (۴۳) مقدسی نے یہاں کے باشندوں کو اصحاب علم ومروت بتاتے ہوئے ان کی ذکاوت اور اسلام دوستی کی تعریف کی ہے:

''منصورہ سندھ کا بہت بڑا شہر اور پایہ تخت ہے۔ اس کی حیثیت دمشق کی طرح ہے۔ جامع مسجد اینٹ اور پتھر سے بنی ہوئی ہے۔ باشندے نرم خو اور بامروت ہیں۔ اسلام ان کے یہاں زندہ اور تروتازہ ہے۔ یہاں علم اور علما کی کثرت ہے۔''(۴۴)

قاضی اطہر مبارک پوری 'سندھ' کی علمی سرگرمیوں کا جائزہ پیش کرنے کے بعد 'منصورہ' کو گہوارۂ علم قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تیسری اور چوتھی صدی کا زمانہ کتاب وسنت اور دینی علوم کی ترویج کی تاریخ واشاعت کے حق میں گویا بہار کے شباب کا زمانہ تھا۔ پورا عالم اسلام دارالعلم بنا ہوا تھا جس میں حاملین علوم گھوم گھوم کر تعلیم وتعلم میں مصروف تھے، ان کے علمی اسفار نے گویا زمین کی مسافتیں ختم کر دی تھیں۔ اس زمانہ تک باقاعدہ مدارس اسلامیہ کا رواج نہیں ہوا تھا اور جوامع ومساجد اور علماء کے کاشانے دینی درس گاہ ہوا کرتے تھے اور ہر مرکزی شہر علماء وفضلاء کی سرگرمیوں کا محور ومرکز بنا رہتا تھا۔ چنانچہ ہباریوں کا دارالسلطنت منصورہ بھی ان ہی دینی وعلمی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ یہاں بھی اس قسم کی درس گاہیں تھیں جن میں علماء ومحدثین باقاعدہ کتاب وسنت کا درس دیتے تھے، احادیث کی روایت کرتے اور فقہ کی تعلیم دیتے تھے۔ یہاں دوسرے علوم کے مقابلہ میں علوم شرعیہ کا رواج زیادہ تھا۔''(۴۵)

'سندھ' کے دوسرے شہروں میں 'بوقان' بھی تھا۔ اسے بھی علمی اعتبار سے بڑی اہمیت اور شہرت حاصل تھی۔ یہاں مسلمان بڑی تعداد میں موجود تھے۔ ہباری دور حکومت (۲۴۷-۴۱۶ھ/۸۶۱-۱۰۲۵ء) میں یہاں کئی نامور علماء پیدا ہوئے، جنہوں نے 'سندھ' کے علاوہ دوسرے شہروں میں علم کا چراغ روشن کیا۔ یاقوت حموی نے اس شہر کے ایک باکمال عالم کا ذکر کیا ہے، جس سے اس شہر کی علمی سرگرمیوں کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

''ينسب اليها ابو عمر محمد بن احمد بن محمد بن سليمان البوقاني صاحب التصانيف المشهورة وهو بلد بارض السند.''(۴۶)

اس کے بعد وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ان دنوں بوقان کے باشندے مسلمان ہیں۔(۴۷)

اسی شہر سے متصل 'قیقان' کے قریب عباسی گورنر عمران بن موسیٰ برمکی نے 'بیضا' نامی شہر بسایا تھا، جہاں سے سرکشوں (جو شہر میں فساد مچاتے پھرتے تھے) کی سرکوبی کی جاتی تھی۔ یہ شہر بھی آگے چل کر علمی اعتبار سے بہت مشہور ہوا۔(۴۸)

علم وادب کے مرکزوں میں 'قصدار' کا بھی نام آتا ہے۔اس شہر کی خاک سے کئی مشہور علماء پیدا ہوئے جو دنیائے علم وادب کے آسمان پر مہر وماہ بنے۔اصطخری کے زمانہ میں یہاں مغیرہ بن احمد نامی ایک شخص حاکم تھا جو عباسی خلفاء کے نام کا خطبہ پڑھتا تھا۔علماءِ 'قصدار' میں جعفر بن الخطاب قصداری بڑے اونچے پایہ کے عالم، محدث اور فقیہ مانے جاتے تھے، زہد وورع کی وجہ سے اپنے معاصرین میں ضرب المثل تھے۔(۴۹)

'ملتان' قدیم زمانہ سے ہی بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے۔اسلام جب یہاں پہنچا تو بڑی تعداد میں مسلمانوں نے یہاں سکونت اختیار کی۔ اس لیے وہاں تعلیم وتدریس کا رواج بھی عام ہوا اور کئی مرکز علم وجود میں آئے۔اسی علم پروری کا نتیجہ ہے کہ وہاں کے مسلمان دنیا میں نیک، دین دار اور شریف سمجھے جاتے تھے۔ابن حوقل جب یہاں آیا تو اس نے یہاں کے باشندوں میں قرآن کی طرف رغبت پائی اور ساتوں قرأت سے قرآن پڑھنے والے قراء کو پایا۔(۵۰) بشاری مقدسی (م۳۹۱ھ/۱۰۰۱ء) اس شہر کی پاک بازی اور دیانت داری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ان کے ہاں زنا نہیں ہے اور نہ ہی شراب پی جاتی ہے۔جس کو ایسا کرنے پر پکڑنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو اسے قتل کر دیتے ہیں یا اس پر حد جاری کرتے ہیں۔وہ خرید وفروخت میں جھوٹ نہیں بولتے ہیں مسافروں سے محبت کرتے ہیں۔''(۵۱)

'لاہور' میں بھی بڑے بڑے علمی مراکز تھے۔وہاں کے علماء ساری دنیا میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔بعد کے زمانے میں بھی دوسرے ملکوں کے نامی گرامی علماء، محدث، فقیہ، صوفیاء اور برگزیدہ ہستیاں یہاں وارد ہوئیں۔ابوالحسن علی بن عمر الحکم بڑے ادیب اور شاعر تھے، حدیث پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔ان کے شیوخ حدیث میں ابی علی المظفر بن الیاس بن سعید السعیدی کا نام آتا ہے جو اپنے زمانے کے علم حدیث کے نام ور اساتذہ میں شمار کیے جاتے تھے۔(۵۲)

'سندھ' 'ہند' میں اور بھی چھوٹے بڑے شہر تھے جہاں سے علم کی روشنی پھوٹی تو صدیوں تک اس کی چمک دمک باقی رہی۔یہ بلاد اس وقت مملکت پاکستان کا حصہ ہیں۔یہ الگ بات ہے مرور زمانہ اور حوادث ایام کے سبب بہت سے بلاد ویران ہو گئے اور اب لوگ ان کے قدیم نام سے کم واقف ہیں۔لیکن تاریخ میں ان کے نام، حالت اور وہاں کی دینی وعلمی سرگرمیوں کا تذکرہ کم وبیش موجود ہے، جن سے ان شہروں کی مرکزی حیثیت کا بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اس روشنی میں یہاں کی تبلیغی سرگرمیوں کا بھی پیمانہ متعین کیا جاسکتا ہے۔

ہندوستان میں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے فیوض وبرکات:

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت سے لے کر عباسی حکومت کے زوال تک بالخصوص ہندوستان کے شمالی حصے میں متعدد صحابہ، تابعین اور تبع تابعین وارد ہوئے اوران کے فیوض وبرکات سے یہاں کی سرزمین سیراب ہوئی۔ جوصحابہ کرام یہاں آئے، ان کی تعداد ۲۵؍ رہے۔ ۱۲؍صحابہ کرام عمر بن خطابؓ کے عہد خلافت میں، ۵؍حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ خلافت میں، ۳؍حضرت علیؓ کے عہد میں، ۴؍معاویہ بن ابی سفیانؓ کے خلافت میں اور ا؍یزید بن معاویہ کے عہد میں یہاں آئے۔ (۵۳) ان کے اسماءِ گرامی یہ ہیں: حضرت عثمان بن ابی العاص الثقفیؓ، حضرت عبداللہ بن عمر الاشجعیؓ، حضرت حکم بن ابوالعاص ثقفیؓ، حضرت مغیرہ ابوالعاص ثقفیؓ، حضرت سہل بن عدی بن مالک حرام الخزرجیؓ، حضرت عبداللہ بن عتبان الامویؓ، حضرت عاصم بن عمرو التمیمیؓ، حضرت ربیع بن زیاد الحارثیؓ (م ۵۱ھ/ ۶۷۱ء) حضرت عبیداللہ بن معمر بن عثمان التمیمی القرشیؓ، حضرت مجاشع بن سعود بن ثعلبہ السلمیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ بن حبیب العبشی القرشیؓ (م ۵۵ھ/ ۶۷۵ء) حضرت سنان بن سلمہ المحتبق الہذلیؓ، حضرت منذر بن جارود العبدیؓ (م ۶۲ھ/ ۶۸۱ء) حضرت عمرو بن عثمان بن سعد التمیمیؓ، حضرت خریت بن راشد الناجیؓ، حضرت یاسر بن سوار عبدیؓ، حضرت مہلب بن ابوصفرہ ازدی عتکیؓ (م ۸۳ھ/ ۷۰۲ء) حضرت کلیب ابووائلؓ وغیرہ۔ (۵۴)

بڑی تعدا میں تابعین وتبع تابعین نے بھی ہندوستان کا رخ کیا، جن کا شب وروز کا مشغلہ ہی دین کی اشاعت اور دلوں کو فتح کرنا تھا۔ یہ باشندگان ہند کو شائستگی کی اعلیٰ اقدار سے بہرہ مند کرنے کی سعی کرتے تھے۔ بلا دعرب سے ہندوستان تشریف لانے والے تابعین کی تعداد تقریباً ۴۲؍ بیان کی جاتی ہے۔ (۵۵) سعید بن ہشام بن عامر انصاری، مہلب بن ابی صفرہ، موسیٰ بن یعقوب ثقفی، یزید بن ابی کبشہ السکسکی، المفضل بن المہلب بن ابی صفرہ، عمرو بن مسلم الباہلی وغیرہ کا ہندوستان آنا ثابت ہے۔ انہوں نے اپنے اخلاق وکرداراور علمی خوبیوں سے ہندوستان کو فیض پہنچایا اور یہاں کے باشندوں کے اندر جوش ایمانی پیدا کر کے انہیں کفروالحاد سے نکال کر شاہ راہ ایمانی پر کھڑا کیا۔

خلافت راشدہ سے لے کر فتح 'سندھ' تک کے ان مجاہدین اسلام اور علماءِ کبار کی دینی وعلمی سرگرمیوں اوران کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے مولانا عزیر لکھتے ہیں:

''خلافت راشدہ اوراموی دورحکومت میں اقلیم ہند پر جن عسکری کوششوں کی ابتداء ہوئی تھی، وہ اگر چہ بہت منظم اور وسیع پیمانہ پر نہ تھیں، مگران کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ حتیٰ کہ رسولؐ کی وفات (۱۱ھ/۶۳۲ء) کے تقریباً اسی سال بعد ۹۳-۹۴ھ (بمطابق ۷۱۲ء) میں محمد بن قاسم نے علاقہ سندھ پر ایک زبردست اور کامیاب حملہ کیا۔ مورخین بیان کرتے ہیں کہ ''محمد بن قاسم نواحی سجستان سے سندھ میں داخل ہوا۔ دیبل، بھمنو (برہمن آباد) اور مولستان (ملتان) کو فتح کرتا ہوا قنوج تک پہنچا۔ واپسی پر اس نے کشمیر کی حدود کو بھی پے سپر کیا تھا۔'' محمد بن قاسم کے اس حملہ اور لشکر

میں بے شمار تبع تابعین، جلیل القدر محدثین، فضلاء اور اتقیا شریک ہوئے۔'' (۵۶)

محمد بن قاسمؒ کے ساتھ جو تابعین 'سندھ' کی مہم پر آئے ان میں ایک ابو شیبہ یوسف بن ابراہیم التمیمی الجوہری تھے۔ یہ نہ صرف جنگی معرکوں میں شریک ہوئے، بلکہ تعلیم وتدریس کا شغل بھی جاری کیے ہوئے تھے۔ دوسرے تابعی زیاد بن الحواری العبدی تھے، ان کا شمار جلیل القدر تابعی کے ساتھ بڑے محدثین میں ہوتا تھا۔ ایک تابعی زائدہ عمر الطائی الکوفی تھے جن کے ذمہ 'ملتان' کے نومسلموں کو اسلامی احکام کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری دی گئی تھی۔ محمد بن قاسمؒ کے دوش بہ دوش جہاد میں شرکت کا شرف ابو قیس زیاد بن رباح القیشی بصری کو بھی حاصل تھا۔ انہوں نے ابو ہریرہؓ وغیرہ سے علم حدیث حاصل کیا تھا اور حسن بصریؒ وغیرہ نے آپ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ (۵۷)

سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں یزید بن ابی کبشہ الشامی 'سندھ' کے والی خراج بن کر آئے۔ یہ بڑے پایہ کے محدث تھے۔ ۸۰ھ ولید بن عبدالملک کے زمانہ خلافت میں سعید بن اسلم بن ذرع الکلابی یہاں کے گورنر بن کر آئے، درس حدیث ہی ان کا اولین مقصد تھا۔ (۵۸) اسی طرح ایک تابعی اسید بن اخنس بن شریک الثقفی تھے، عبدالملک بن مروان کے زمانہ حکومت میں یہاں کے والی مقرر ہو کر آئے، انہوں نے بھی یہاں اشاعت علم کی طرف بڑی توجہ دی۔ (۵۹)

عالم اسلام کے علماء ومحدثین کا ہندوستان میں قیام:

بعد کے عہد میں حضرت امام حسن بصری (۲۱-۱۱۰/۶۴۲-۷۲۸ء) کے دو کبار شاگردوں کا ہندوستان سے بڑا گہرا تعلق رہا۔ ان کے واسطے سے امام بصری کے فیوض وبرکات ہندوستان میں عام ہوئے۔ ان میں سے ایک حضرت امام ابوحفص ربیع بن صبیح بصری ہیں۔ وہ یہیں ۱۶۰ھ/۷۷۶ء میں فوت ہوئے۔ یہ گجرات میں جہاد کے لیے آئے تھے، جس کی قیادت عبدالملک مسمعی کر رہے تھے۔ پھر انہوں نے یہیں قیام اختیار کیا اور درس وتدریس کا شغل جاری کیا۔ آپ علم حدیث کے ان ممتاز لوگوں میں ہیں جنہیں دوسری صدی ہجری میں جمع وتدوین حدیث کا شرف حاصل ہے۔ (۶۰) دوسرے حضرت امام ابوموسیٰ اسرائیل بن موسیٰ بصری (م ۱۵۵ھ/ ۷۷۱ء) ہیں۔ انہوں نے ایک عرصے تک ہندوستان میں علم حدیث کا درس دیا اور یہیں سکونت اختیار کی۔ (۶۱)

صحاح میں ہندوستانی محدثین کی مرویات:

امام بخاری (۱۹۴-۲۵۶ھ/۸۱۰-۸۶۹ء) نے اپنی جامع میں مذکورہ دونوں حضرات سے مروی احادیث نقل کی ہیں۔ صحاح کے علاوہ حدیث کے دوسرے مجموعوں میں بھی ان کے طرق سے حدیثیں ملتی ہیں۔ اول الذکر محدث کی روایت ترمذی ابواب تفسیر القرآن، تفسیر سورہ آل عمران، مسند احمد، ابن ماجہ، طحاوی اور موطا امام محمد بن الشیبانی میں الفاظ کے قدرے فرق کے ساتھ موجود ہے۔ موطا میں ہے:

''اخبرنا الربیع بن صبیح البصری عن الرقاشی عن انس بن مالک وعن الحسن البصری کلاهما یرفعه الی النبیؐ انه قال: من توضا یوم الجمعة فبها ونعمت، ومن اغتسل فالغسل افضل.''(۶۲)

''ہمیں ربیع بن صبیح نے رقاشی نے خبردی، انہوں نے حضرت انس بن مالک سے روایت کی، نیز ربیع نے حسن بصری سے روایت کی اور یزید وحسن دونوں مرفوعاً نبیؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن وضو کرے تو یہ بھی اچھی بات ہے اور جو شخص غسل کرے تو غسل افضل ہے۔''

اسی طرح ایک اور حدیث انہیں کے طرق سے بیان ہوئی ہے، جس میں پانچ دنوں میں روزہ رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ جب کہ ایک دوسری حدیث میں بیان ہوا ہے کہ کوئی شخص رمضان کے دنوں میں یا غیر رمضان میں روزہ کی حالت میں بھول کر کچھ کھا پی لے تو اس کا روزہ ہو جائے گا:

''اخبرنا الربیع بن صبیح، قال حدثنا الحسن البصری قال: قال رسول الله ﷺ اذا اکل احدکم او شرب ناسیا وهو صائم فی شهر رمضان او غیر رمضان فان الله اطعمه وسقاه فلیمض فی صومه.''(۶۳)

''ہمیں ربیع بن صبیح نے خبردی کی حسن بصری نے ہم سے بیان کیا کہ نبیؐ نے فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی رمضان یا غیر رمضان میں روزے رکھے اور بھول کر کھا پی لے تو اسے اللہ تعالیٰ نے کھلایا پلایا، اسے چاہیے کہ اپنا روزہ پورا کرے۔''

ثانی الذکر سے مروی حدیث بخاری، کتاب الصلح، کتاب مناقب الحسن والحسین اور کتاب الفتن کے علاوہ ترمذی، ابوداؤد اور سنن نسائی میں ملتی ہے۔ بخاری میں مذکور حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''حدثنا عبدالله بن محمد، حدثنا سفیان عن ابی موسیٰ قال سمعت الحسن یقول استقبل والله الحسن بن علی الخ...... فقال الحسن ولقد سمعت ابا بکرة یقول: رأیت رسول الله ﷺ علی المنبر والحسن بن علی الی جنبه وهو یقبل علی الناس مرة وعلیه اخری ویقول: ان ابنی هذا سید ولعل الله ان یصلح به بین فئتین عظمتین من المسلمین. قال ابو عبدالله: قال لی علی بن عبدالله: انما ثبت لنا سماع الحسن من ابی بکرة بهذالحدیث.''(۶۴)

''سفیان بن عیینہ نے ابوموسیٰ اسرائیل سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا میں نے حسن بصری کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت حسن بن علی فوج لے کر نکلے (اس کے بعد پورا قصہ بیان کیا) حسن بصری کا بیان ہے کہ میں نے

حضرت ابوبکرہ سے سنا ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے نبیﷺ کو منبر پر اس حال میں دیکھا ہے کہ حضرت حسن آپ کے پہلو میں تھے اور آپ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی حسن کی طرف توجہ فرماتے اور فرماتے کہ یہ میرا بیٹا سردار ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔ مدینی نے کہا کہ ہمارے نزدیک حسن بصری کا حضرت ابوبکرہ سے سماع کا ثبوت اسی حدیث سے ہے۔''

ہندوستانی علماء و محدثین کی دینی و علمی خدمات:

ابوبکر احمد بن سندی بن حسن بن بحر حداد سندی بغدادی متوفی ۳۵۹ھ عظیم محدث اور مستجاب الدعا عابد و زاہد تھے، بغداد کے محلہ قطیعۃ الحداد میں ان کا قیام تھا۔ احمد بن سندی بن فروخ مطرز بغدادی کا (موجود ۳۰۰ھ/۹۱۲ء) قیام بغداد میں تھا، انہوں نے بصرہ میں بھی حدیث کی روایت کی ہے، بڑے محدث تھے۔ احمد بن سندی رازی خراسان کے شہر 'رے' میں رہتے تھے تیسری صدی کے علماءِ حدیث میں تھے۔ ابوبکر احمد بن قاسم بن سیما بیع معدل بغدادی چوتھی صدی کے رواۃ حدیث میں سے تھے، ابن السندی کی کنیت سے مشہور تھے۔ ابوجعفر سندی تیسری صدی کے رواۃ و اساتذہ حدیث میں سے تھے۔ یزید بن سندی کو فاطمی دور میں مصر میں بڑی عظمت و اہمیت حاصل تھی۔ کاتب الحکم یعنی فیصلہ نویس تھے۔ عبداللہ بن سندھی چوتھی صدی کے مشہور محدث تھے۔ علی بن اسمٰعیل سندھی بھی محدث جلیل کے طور پر جانے جاتے تھے۔ اسلم بن سندی کا علماءِ حدیث میں بڑا مقام و مرتبہ تھا۔ ابو ابراہیم اسمٰعیل بن سندی الخلال تیسری صدی کے کبار محدثین میں تھے۔ قیس بن سندی بغدادی حضرت امام احمد بن حنبل کے تلامذہ میں سے تھے۔ ابو محمد خلف بن سالم سندی بغدادی (م ۳۳۱ھ/۹۴۲ء) حافظ حدیث اور بغداد کے اعیان میں تھے۔ ابو محمد رجاء بن سندی نیساپوری تیسری صدی کے محدثین میں تھے۔ ابوبکر سندی خواتیمی بغدادی حضرت امام احمد بن حنبل کے شاگردوں میں تھے۔ سندی بن ابو ہارون تیسری صدی کے محدث تھے۔ ابو نصر سندی بن ابان بغدادی (م ۲۸۱ھ/۸۹۴ء) بغداد کے قدما محدثین اور مشہور روات حدیث تھے۔ سندی بن عبدویہ کلبی رازی تیسری صدی کے محدث تھے۔ ان کا مستقل قیام رے میں تھا اور ہمدان اور قزوین دونوں شہروں کے بیک وقت قاضی تھے۔ ان کا اصل نام سہل بن عبدالرحمان ہے۔ عبداللہ بن حسن بن سندی اندلسی (م ۳۳۵ھ/۹۴۶ء) نے سندھ سے نکل کر اندلس میں مستقل قیام کیا اور وہیں مسند درس بچھائی۔ عثمان سندی بغدادی چوتھی صدی میں بغداد کے کبار مشائخ میں سے تھے۔ علی بن بنان سندی بغدادی تیسری صدی میں بغداد کے رواۃ حدیث میں سے تھے۔ ابو نصر فتح بن عبداللہ سندی چوتھی صدی کے فقہاءِ متکلمین میں سے تھے۔ ابو العباس فضل بن سکین بن سمیت سندی بغدادی بغداد کے رواہ حدیث میں تھے۔ ابو عبداللہ محمد بن رجا سندی نیساپوری اسفرائین میں رہتے تھے۔ انہوں نے بغداد میں حدیث کی روایت کی ہے۔ ان کے والد رجا سندی، ان کے لڑکے ابوبکر محمد بن محمد بن رجا سندی اور ابوبکر حمدان بن محمد بن رجا بن سندی یہ سب حدیث کے ثقہ علماء میں تھے۔ 'سندھ' کا یہ

گھرانا خراسان میں بیت العلم اور معدن الحدیث سمجھا جاتا تھا۔ عبداللہ بن حسن بن سندی اندلسی (م ۳۳۵ھ/ ۹۴۶ء) نے اندلس کے شہر دمشق میں سکونت اختیار فرمائی اور سندھی دمشقی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ ابوالحسن محمد بن عبداللہ سندی بصری تیسری صدی کے محدث تھے۔ یہ بصرہ میں رہتے تھے۔ ابوبکر محمد بن محمد بن رجا سندی جرجانی (م ۲۸۶ھ/ ۸۹۹ء) حافظ حدیث تھے اور صحیح مسلم کے انداز پر حدیث کی ایک اہم کتاب مستخرج علی صحیح مسلم لکھی۔ (۶۵)

ہندوستانی شہروں سے منسوب علماء ومحدثین:

اسلام کے ابتدائی دو تین صدیوں میں 'سندھ' کے مسلمانوں نے حصول علم کے سلسلے میں جو سرگرمیاں دکھائیں ان سے ان کی بڑی نیک نامی ہوئی۔ عرب ملکوں میں بھی وہ عزت کی نگاہ سے دیکھے گئے۔ وہاں کے مرکز علم کو اپنی علمی خوبیوں سے بھی رونق بخشا۔ ان میں خالص ہندوستانی النسل علماء، محدثین اور فقہاء تھے، جو اسلام قبول کر کے تعلیم کے اعلیٰ مدارج طے کیے تھے۔ اوپر جن علماءِ کرام ومحدثین عظام کا ذکر کیا گیا ہے وہ 'سندھ' سے منسوب کیے جاتے تھے۔ لیکن ایسے بھی علماء ومحدثین تھے، جو 'سندھ' کے دوسرے شہروں اور علاقوں کی نسبت سے جانے جاتے تھے۔

قاضی ابومحمد منصوری داؤدی مسلک کے امام تھے اور 'منصورہ' میں مستقل قیام پذیر تھے۔ اسی طرح قاضی ابوالعباس احمد بن محمد منصوری یہاں کے قاضی تھے۔ ابوبکر احمد بن محمد منصوری بکرآبادی (م ۴۲۲ھ/ ۱۰۳۰ء) کا شمار محدث کبیر میں ہوتا تھا۔ متعدد لوگوں نے ان سے حدیث کی سند حاصل کی ہے۔ ابومحمد عبداللہ بن جعفر بن مرہ منصوری قرآن کے مستند قاری ومقری تھے۔ انہوں نے احادیث کی سماعت حسن بن مکرم اور ان کے معاصرین سے کی۔ (۶۶)

ابوالعباس احمد بن عبداللہ دیبلی نیسا پوری (۳۴۳ھ/۹۵۴ء) کی شہرت محدث وفقیہ کی حیثیت سے تھی۔ انہوں نے امام ابن خزیمہ کی خدمت میں حاضر ہوکر تکمیل علم کی اور نیسا پور کو ہی رونق بخشا۔ ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون حربی دیبلی رازی (م ۳۷۰ھ/ ۹۸۰ء) نے امام جعفر محمد فریابی اور ابراہیم بن شریک کوفی وغیرہ سے روایت کی ہے۔ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم دیبلی بغدادی چوتھی صدی کے مشاہیر علماءِ حدیث میں سے تھے۔ ابومحمد حسن بن حامد دیبلی بغدادی محدث وادیب وشاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بغداد کے بڑے تاجروں میں سے تھے۔ ابوالقاسم حسین بن محمد بن اسد دیبلی دمشقی چوتھی صدی کے محدث تھے۔ خلف بن محمد موازینی دیبلی بغدادی، ابوالقاسم شعیب بن محمد بن احمد دیبلی علی بن احمد بن محمد دیبلی، علی بن موسیٰ دیبلی بغدادی، ابوجعفر محمد بن ابراہیم دیبلی مکی، ابوبکر محمد بن حسین محمد بن دیبلی شامی، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ دیبلی شامی وغیرہم چوتھی صدی ہجری کے محدثین عظام اور علماءِ کبار میں سے تھے۔ (۶۷)

محدثین 'بوقان' میں ابوالمکارم فضل اللہ بن محمد بوقانی سندی اونچے پایہ کے عالم تھے۔ یہ امام بغوی کے شاگرد تھے۔ محمد بن احمد منصور بوقانی نامور محدث تھے۔ انہوں نے حدیث کا درس امام حاتم بن محمد حبان (م ۳۵۴ھ/ ۹۶۵ء) سے لیا

تھا۔محمد بن احمد بن محمد بن خلیل بن احمد بوقانی کا شمار پانچویں صدی کے علماء میں ہوتا ہے۔انہوں نے حدیث کی تکمیل امام ابو بکر بن خلف شہرازی سے کی تھی۔ان کے شاگردوں میں عبدالرحیم بن سمعانی نے علم حدیث میں بڑی شہرت پائی۔ابوسعید بن احمد اسعد بن محمد بوقانی کا شمار شوافع علماء میں بڑی عزت سے لیا جاتا تھا۔(۶۸)

فقہ حنفی کی نشر واشاعت:

عرب دورِ حکومت میں جو علمی مراکز قائم ہوئے، ان میں نہ صرف قرآن حدیث کی تعلیم پر زور دیا جاتا تھا، بلکہ فقہ وکلام اور دوسرے علوم کے درس وتدریس کا بھی انتظام تھا۔چوں کہ شروع کی صدیوں میں جمع وتدوین حدیث کا عمل جاری تھا اور مسلمان کوشش کرتے تھے کہ وہ حدیث کی خدمت زیادہ سے زیادہ انجام دیں تاکہ یہ سرمایہ محفوظ اور شکوک وشبہات سے پاک رہے۔اس لیے ان لوگوں نے اپنی خصوصی توجہ کی۔اسی وجہ سے ان کی نسبت عام طور سے حدیث سے جوڑ دی گئی، جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں بڑے بڑے فقہاء ومفسرین قرآن اور دوسرے علوم کے ماہرین کی تعداد بھی بہت تھی۔اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ محمد بن قاسم نے جن علاقوں کو فتح کیا، وہاں مسجدیں بنوائیں اور اس کے لیے امام وخطیب کا تقرر کیا جو حدیث کے ماہر ہونے کے ساتھ فقہی مسائل میں گہری بصیرت رکھتے تھے۔اسی مسجد کے منبر ومحراب اور صحن سے مسلمانوں کے پیش آمدہ نت نیے مسائل کے حل تلاش کرنے کے ساتھ قضاۃ کی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔مولانا اسحاق بھٹی لکھتے ہیں:

''ابتدائی صدی ہجری میں ہی اسلام کے لئے ترقی وتقدم کی راہیں کھل گئی تھیں اور اس نے بحر وبر کے دور دراز فاصلوں کو طے کرکے برصغیر پاک وہند کو بھی اپنی آغوش شفقت میں لے لیا تھا۔پھر یہاں بھی مختلف اسلامی علوم نے اپنے لئے جگہ بنائی۔مفسرین پیدا ہوئے، محدثین نے بساط علم بچھائی اور فقہانے بھی فہم وادراک کی مندیں آراستہ کیں اور کتاب وسنت کی ضیا پاشیوں کی وساطت سے اپنے ملکی ماحول کے مطابق پیش آئند مسائل کی گرہ کشائی کی۔کتابیں لکھیں، مدرسے قائم کئے اور وعظ وارشاد کی محفلیں سجائیں۔غرض ہر طریق اور ہر نہج سے اپنی بات لوگوں کے دلوں میں اتارنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب رہے۔''(۶۹)

چوں کہ اس عہد میں غیر مسلم بڑی تعداد میں اسلام قبول کر رہے تھے اور جنگ وجدال کا بھی بازار گرم تھا، اس لیے شرعی موقف کی وضاحت بھی درکار تھی، تاکہ غیر مسلموں کے شرعی حقوق متعین کیے جائیں۔اس لئے دوسرے فقہی مسالک کی تعلیم سے بھی تعصب نہیں برتا جاتا تھا، تاہم فقہ حنفی کو ہی یہاں قبول عام حاصل رہا اور اکثر لوگ حنفی مسلک پر عمل پیرا تھے۔بساری مقدسی 'سندھ' کے مشہور مقامات کی علمی حیثیت اور لوگوں کی تعلیم وتعلم سے دلچسپی کا ذکر کرنے کے بعد وہ یہ بھی لکھتے ہیں:

''سندھ کا کوئی بڑا شہر حنفی مذہب کے فقہاء سے خالی نہیں، مگر مالکیہ، معتزلہ اور حنابلہ بالکل نہیں ہیں۔ یہ لوگ سیدھے راستے اور صحیح مسلک پر ہیں۔ پاک باز اور ان کے خصائل پسندیدہ ہیں۔''(۷۰)

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ابتدائی مسلمانوں کے اثرات مقامی باشندوں پر بہت خوش گوار پڑے۔ 'سندھ' کے باشندے اسلام قبول کرنے کے بعد خود کو ایک اچھا مسلمان بنانے کی کوشش کی اور اپنے اخلاق و کردار سے بہترین مثال بنے۔ جو لوگ اسلام قبول کر کے مسلم معاشرہ میں داخل ہوتے تو مسلمان ان کے اس عمل پر خوشی کا اظہار کرتے اور ان کی دل جوئی میں کسر نہ چھوڑتے اور ہر ممکن ان کا تعاون کرتے تھے۔ چوں کہ باہر سے آنے والے مسلمان کا عمل فقہ حنفی پر رہا، اس لیے اس کا اثر یہاں کے نومسلموں پر بھی پڑا۔

محمد بن قاسم کے سامنے پہلی بار یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ 'دیبل' کے غیر مسلموں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے اور فقہاءِ اسلام کی صراحت کے مطابق انہیں غیر مسلموں کے کس خانے میں رکھا جائے۔ 'اہل کتاب' میں شمار کیا جائے، یا 'شبہ اہل کتاب' میں، یا پھر ان کا شمار ان میں سے کسی میں نہ کیا جائے۔ اس زمانے میں یہ مسئلہ پیچیدہ بن کر سامنے آیا، مگر کوئی واضح صراحت نہ ہونے کی وجہ سے مرکزی حکومت سے رجوع کیا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حجاج بن یوسف نے علماء سے استفسار کر کے اس کا شرعی حل معلوم کیا، پھر محمد بن قاسم کو اس کیا طلاع دی، اس کی روشنی میں سندھ کے غیر مسلموں کو 'ذمی' کا درجہ دیا گیا۔(۷۱)

ابتدائی عہد کے ہندوستان میں جن فقہاءِ کرام کی فقہی سرگرمیوں میں دل چسپی کا پتہ چلتا ہے، ان کی تعداد ۳۶/ ہے۔ جب کہ دوسری صدی ہجری کے ۱۷/ اور تیسری صدی کے ۷/ رہیں۔ اسی طرح چوتھی صدی کے ۷/ فقہاءِ کرام کا پتہ چلتا ہے۔ ان میں بیش تر حضرات کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ جن لوگوں نے حدیث کی تعلیم و تدریس کا فریضہ انجام دیا ان میں اکثر حضرات فقہ اور شرعی مسائل کے بھی ماہر ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ بھی دوسرے فقہاءِ کرام تھے جو عام طور پر فقہی خدمات انجام دے رہے تھے۔(۷۲)

منطق وفلسفہ اور ہندوستانی علوم سے عربوں کی دل چسپی:

عباسی دور حکومت میں بالخصوص منصور کے زمانے میں یونانی فلسفہ و منطق کا رواج عام ہوا اور عربی میں ترجمہ کا کام بڑی تیزی سے شروع ہوا اور لوگوں کی توجہ ان علوم کی طرف ہوئی۔ اس کا اثر ہندوستان میں بھی پڑا اور اس کی تعلیم کے لیے بڑے بڑے فلاسفہ اور کلامی علماء نے ہندوستان کا رخ کیا۔ منطق وفلسفہ نے کتنی سرعت سے اپنا اثر دکھایا اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی (۱۳۳۲-۱۴۲۰ھ/۱۹۱۳-۱۹۹۹ء) لکھتے ہیں:

''علماءِ اسلام پر منطق کا سحر فلسفہ سے کچھ زیادہ ہی غالب تھا اور اس کے سرتا پا معقول و مدلل اور محکم و مبرہن ہونے پر

عام طور پر اتفاق تھا۔ساعد قرطبی کے بیان کے مطابق تیسری ہی صدی میں منطق کی کتابوں کا عام رواج ہو گیا تھا۔"(۷۳)

'سندھ' 'ہند' میں تعلیم وتدریس کے فروغ واشاعت کا منظم کام بالخصوص عہد عباسی میں ہوا۔ہارون رشید اور عبداللہ بن ہارون الملقب بہ مامون نے اس سلسلے میں بڑی دل چسپی دکھائی۔حسب ضرورت حکومت کے ایما پر نہ صرف عرب علماء کی جماعت یہاں آتی رہی ، بلکہ ہندوستان کے بڑے بڑے عالموں کی خدمات حاصل کرنے کے لیے انہیں بغداد بلایا گیا، یہاں تک بعض ہندوؤں کو بھی دعوت دی گئی جو ہندوستانی علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ہارون کی درخواست پر کئی ہندو 'بیدوں' اور فلسفیوں کے مرکز خلافت پہنچنے کا تذکرہ کتابوں میں ملتا ہے۔(۷۴) ایک ہندو طبیب کے متعلق صراحت ملتی ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔'صالح بن بہلہ' کے نام سے مشہور ہوا۔'سدھانت' جو ہندوستانی تصنیف ہے، جس کی زبان سنسکرت ہے اور ہیئت اس کا موضوع ہے، ۷۷۱ء میں اس کا ترجمہ عربی میں ہوا اور اس کا نام 'السند ہند' رکھا گیا۔اس کے ترجمہ کے لیے خلیفہ وقت نے کمیٹی تشکیل دی تھی، جو سنسکرت کے ساتھ عربی زبان کے بھی ماہر تھے۔(۷۵) بعد کے زمانے میں کئی بار افادیت کے پیش نظر اس کی تسہیل کی گئی۔اس کے علاوہ علم ریاضی بھی ہندوستانیوں کے ذریعہ عرب ملکوں میں پہنچا۔جیسا کہ شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

"علم ہیئت کے علاوہ علم حساب میں بھی عرب ہندوستانیوں سے اور تمام اہل مغرب عربوں سے مستفید ہوئے۔عربوں کا بیان ہے کہ انہوں نے حسابی رقم (ہند سے) لکھنے کا طریقہ ہندوؤں سے سیکھا۔اس لیے وہ ہندسوں کو حساب ہندی یا 'ارقام ہندیہ' کہتے تھے۔اقوام یورپ نے یہ ہندسے عربوں سے سیکھے،اس لیے وہ انہیں Arabic Numeral یا اعداد عربیہ کہتے ہیں۔اس سے پہلے عرب لفظوں میں عدد لکھتے تھے۔پھر حروف ابجد میں لکھنے لگے اور اہل مغرب رومن ہندسوں میں (جن کا استعمال بہت پیچیدہ تھا) اعداد کو بیان کرتے تھے۔یہ امر صحیح طور پر معلوم نہیں کہ "ارقام ہندیہ" عرب میں کب پہنچے ،لیکن خیال ہے کہ جو پنڈت سدھانت لے کر بغداد گیا تھا، اسی نے عربوں کو حساب کا نیا طریقہ سکھایا ہوگا۔"(۷۶)

عربی زبان وادب کا فروغ:

علماء ومحدثین اور فقہائے کرام کے علاوہ ایسے حضرات بھی تھے جو شعر وادب سے بڑی دل چسپی رکھتے اور شعر و شاعری کی محفل گرم کرتے تھے۔ان میں ابوالمکارم سندھی ،ابوالعطا سندھی ،اسحاق (م ۲۳۵ھ/ ۸۴۹ء)، منصور ہندی، سندھ بن صدقہ ، کشاجم سندھی ، ہارون عبداللہ ملتانی وغیرہ کے اسماءِ گرامی بقائے دوام کا درجہ رکھتے ہیں۔ان میں اکثر حضرات صاحب تصانیف ہیں۔(۷۷) عرب کے ابوتمام کا ہم عصر نامور شاعر ابوعبادہ ولید بن عبید البحتری (م ۲۸۴ھ/ ۸۹۷ء) کے ہندوستان آنے کی شہادت ملتی ہے،لیکن وہ کس سنہ میں ملتان آئے ،اس کا تعین کرنا مشکل ہے۔یہ ضرور ہے کہ وہ عبداللہ بن

عمر بن عبدالعزیز ہباری کے دور میں 'منصورہ' کے والی بنائے گئے تھے۔(۷۸)

ابتدائی عہد کے بعض صوفیاء:

'سندھ' کی دینی وعلمی سرگرمیوں کے ضمن میں یہاں کے صوفیاءِ کرام کی مساعی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ایک صوفی تبع تابعی شیخ ابوتراب کے یہاں وارد ہونے کا پتہ چلتا ہے۔جنہوں نے ملکی فتوحات کے ساتھ اپنے کشف وکرامات کے ذریعہ بہت سے غیر مسلموں کو حلقہ اسلام میں داخل کیا۔شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے کہ وہ عباسی خلفاء کے عہد حکومت میں آئے اور کئی علاقوں پر قابض تھے۔ان کا مزار زیارت گاہ خاص وعام ہے اور اس کے گنبد پر ۱۷۱ھ/ ۷۸۸ء درج ہے۔ان کے مزار پر ہر مہینے چھوٹا سا میلہ لگتا ہے۔عوام الناس نے ان کو با کرامت پیر بنا دیا ہے۔مقامی روایت میں ہے کہ اس علاقہ میں 'تھارنہ' نام کا ایک ہندو راجہ تھا، شیخ نے اپنی کرامت سے اسے اور اس کی فوج کو ایک پہاڑی کی صورت میں منتقل کر دیا، یہ پہاڑی بھی زائرین کو دکھائی جاتی ہے۔(۷۹)

بعض دوسرے مسلم فرماں رواؤں کی اشاعت علم سے دل چسپی:

جب کبھی مرکزی حکومت کا تعلق 'سندھ' سے کم زور ہوا تو 'سندھ' اور اس سے ملحق علاقوں کے مسلمانوں نے اس کم زوری کا فائدہ اٹھا کر خود مختار ریاست قائم کرلی۔ برائے نام اپنی وفاداری کا دم بھرتے ہوئے کسی نہ کسی طرح مرکز سے بھی تعلق برقرار رکھا۔ان میں خاص طور سے ۵/ ریاستیں بڑی اہم ہیں۔(۸۰) ان میں سے ایک خود مختار اسلامی حکومت کا تعلق براہ راست ہندوستان کے ساحلی علاقہ سے ہے۔ان ریاستوں کے حکم رانوں نے اپنے اپنے عہد میں اشاعت تعلیم پر بڑی توجہ دی اور بڑے بڑے نامی گرامی علماء کی خدمات حاصل کرتے تھے۔اس طرح یہاں کے علمی مزاج میں دن بہ دن اضافہ ہوتا گیا۔چنانچہ 'سندھ' کی علمی سرگرمیوں کا جائزہ لیتے ہوئے قاضی اطہر مبارک پوری لکھتے ہیں:

''چوتھی صدی ہجری میں پورا عالم اسلام علمی ودینی نشاط سے معمور تھا۔مشرق سے مغرب تک مسلمانوں کے بلاد وامصار اور شہر وقریات اسلامی علوم وفنون اور دینی رجال وشخصیات کے گہوارے تھے، جن میں اسلامی ثقافت پرورش پا رہی تھی۔یہی پر بہار زمانہ سندھ میں ہباریوں کی حکومت کا دور تھا اور بغداد وبصرہ کی طرح سندھ ومنصورہ اور دیبل وغیرہ بھی اسلامی علوم وفنون کے مرکز تھے۔جگہ جگہ دینی علوم وفنون کی بساط بچھی ہوئی تھیں۔گھر گھر دار العلم بنا ہوا تھا اور ایک ایک بستی میں سیکڑوں علماء وفضلاء رہتے تھے۔اس دور میں سندھ میں اسلامی زندگی اپنے پورے شباب پر تھی۔ہباری حکم راں بڑے علم دوست اور اہل علم کے قدرداں تھے۔انہوں نے دینی علوم ورجال کی سرپرستی کی۔علمی خاندانوں سے ان کے تعلقات تھے اور اہل علم وفضل ان کے دربار سے وابستہ تھے۔ان کا مسلک اگرچہ امام داؤد ظاہری کا تھا اور وہ ظاہر حدیث پر عمل کرتے تھے، مگر پورے سندھ میں فقہاءِ احناف کی کثرت تھی۔معتزلہ کی عقلیت پسندی سے نجات تھی۔عام مسلمانوں کا دینی حال نہایت اچھا تھا۔مذہبی تعصب، گروہ بندی اور جانب

داری کا نام تک نہیں تھا۔ بلکہ ہر مسلک کے لوگ آزادی اور سکون سے اپنے مسلک پر عمل کرتے تھے۔ حسن اخلاق، سیر چشمی اور انسانیت و مروت سندھ کے مسلمانوں کی امتیازی صفات تھے۔ بڑے بڑے شہروں کی زبان عربی اور سندھی دونوں تھیں۔ بود و باش اور طرز زندگی مرکز عراق سے ملتا جلتا تھا اور ذہن و مزاج کے اعتبار سے وہ سچے مسلمان تھے۔ خاص طور سے بڑے بڑے شہروں میں اسلامی شان و شوکت کا غلبہ تھا۔ الور بہت بڑا شہر تھا اور وہاں مسلمانوں کی بہت زیادہ آبادی تھی۔ نیرون بھی خالص علمی شہر تھا۔ دیبل علماء و فضلاء کا مرکز تھا اور منصورہ تو گویا دارالاسلام والمسلمین بن کر بغداد کا ایک حصہ معلوم ہوتا تھا۔ رسم و رواج عراق سے ملتے جلتے تھے۔ ساتھ ہی حسن اخلاق اور شرافت میں بھی یہ لوگ مشہور تھے۔'' (۸۱)

خلاصۂ بحث:

مسلمان 'سندھ' میں داخل ہوئے تو قلیل عرصے میں یہاں کی تہذیب و ثقافت کو اسلامی قدروں نے پوری طرح متاثر کیا۔ اس کی وجہ سے 'سندھ' سے آگے بڑھ کر 'ہندوستان' کے دوسرے علاقوں میں مسلمان کثرت سے آباد ہوئے اور غیر مسلموں کی بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا۔ یہ بات بے بنیاد ہے کہ خلفائے اسلام 'ہندوستان' میں بے وجہ تیر و تفنگ کرتے ہوئے آئے اور یہاں کے باشندوں کو جبراً مسلمان بنایا۔ اگر یہ لوگ انہیں مجبور نہ کرتے تو شاید اسلام یہاں کافی دیر سے پہنچتا اور اس کا سبب کوئی دوسرا ہوتا۔ جنوبی ہندوستان کے حالات کو نظر میں رکھا جائے تو شاید یہ اعتراض پیدا نہ ہوگا۔ درج بالا سطور میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے کہیں پتہ نہیں چلتا کہ مسلمانوں نے یہاں کے باشندوں کو اپنا مذہب قبول کرنے کے مجبور کیا ہو۔ ہندوستان کے حالات پر اسلامی اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے:

۱۔ مسلمان فاتحین کی وجہ سے برصغیر پاک و ہند کا شمالی حصہ پہلے پہل اسلام سے روشناس ہوا اور اس کے اثرات تا دیر قائم رہے۔

۲۔ مسلمانوں کے عدل و انصاف اور مساوات و اخوت پر مبنی نظام حکومت کی بدولت مقامی آبادی نے کثیر تعداد میں اسلام قبول کیا۔

۳۔ 'سندھ' کی تسخیر نے اسلام کی آمد کا راستہ کھول دیا۔

۴۔ 'سندھ'، مستقل طور پر اسلامی تہذیب و تمدن کا مرکز بن گیا۔

۵۔ لاتعداد مبلغ اور بندگان دین نے 'سندھ' سے آگے بڑھ کر ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ کی۔

٦۔ عرب مسلمانوں نے سنسکرت زبان سیکھ کر ہندوؤں کے علم و نجوم و علم ہندسہ پر کتابیں تحریر کیں اور اسے دنیا میں متعارف کروایا۔

۷۔ مسلمان یہاں نہ آتے تو شاید غیر مسلموں کی حالت میں کوئی نمایاں تبدیلی نہ ہوتی، کیوں کہ مذہبی زنجیروں میں ایسے جکڑے ہوئے تھے کہ اس سے آزادی حاصل کرنا آسان کام نہ تھا۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ابی الحسن البلاذری، فتوح البلدان، مطبوعہ مصر، ۱۹۳۲ء، ص ۴۳۱

۲۔ شاہ معین الدین، تاریخ اسلام، ص ۴۸، ج ۱، ح: ۳، مکتبہ معارف اعظم گڑھ، ۱۹۸۵ء

۳۔ ایضا، ص ۴۹، ج ۱، ح: ۳

۴۔ تاریخ سندھ، ۱۶۰

۵۔ خواجہ حسن نظامی تاریخ سلاطین عباسیہ، ص ۱۱۶، ج: ۱، مطبوعہ دہلی، ۱۹۲۶ء

۶۔ تاریخ سندھ، ص ۱۶۵

۷۔ ایضا، ص ۱۶۱

۸۔ تاریخ معصومی، ص ۳۹۱-۳۹۲

۹۔ شاہ معین الدین ندوی، تاریخ اسلام، ص ۹۹، ج ۱، ح: ۳

۱۰۔ فتوح البلدان، ص ۴۴۵

۱۱۔ مختصر تاریخ ہند، ص ۳۰

۱۲۔ تاریخ سندھ، ص ۱۹۰

۱۳۔ تاریخ سندھ، ص ۲۰۴

۱۴۔ مختصر تاریخ ہند، ص ۴۰

۱۵۔ سید سلیمان ندوی، عرب وہند کے تعلقات، ص ۱۹۹، مکتبہ معارف اعظم گڑھ، ۱۹۶۲ء۔ مختصر تاریخ ہند، ص ۴۰

۱۶۔ ایضا، ص ۴۱

۱۷۔ ہندوستان کی عظمت رفتہ، ص ۱۹۵

۱۸۔ ایضا، ص ۱۹۵

۱۹۔ ایضا، ص ۱۹۵

۲۰۔ ایضا، ص ۱۹۷-۲۰۲

۲۱۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، ص ۱۴۹

۲۲۔ ایضا

۲۳۔ فتوح البلدان، ص ۴۴۶

۲۴ احمد بن یحیٰی المرتضٰی، کتاب المنیہ والامل فی شرح کتاب الملل والنحل، باب ذکر المعتزلہ ص: ۳۱-۳۴، بحوالہ عرب وہند کے تعلقات، ص ۲۳۶-۲۳۸

۲۵ آب کوثر، ص۲۹
۲۶۔ فتوح البلدان، ص۴۲۵
۲۷۔ فتوح البلدان، ص۴۵۲
۲۸۔ فتوح البلدان، ص۴۲۵
۲۹۔ تاریخ معصومی، ص۲۶
۳۰۔ پروفیسر محمد اسلم، سرمایہ عمر، ندوۃ المصفین، سمن آباد، لاہور، ۱۹۷۶ء، ۱۵۵-۱۵۶
۳۱۔ ابن بطوطہ، عجائب الاسفار (سفر نامہ ابن بطوطہ) نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۶۱ء، ص۴۸۶
۳۲۔ فتوح البلدان، ص۴۳۰
۳۳۔ ایضا، ص۴۳۱
۳۴۔ تاریخ سندھ، ص۱۶۱
۳۵۔ فتوح البلدان، ص۴۳۲
۳۶۔ المسالک والممالک، ص۱۷۶
۳۷۔ یاقوت حموی، معجم البلدان، ص۴۴۵، ج۳، مطبوعہ بیروت، ۱۸۵۷ء
۳۸۔ معجم البلدان، ص۳۰۰، ج۴
۳۹۔ سید ابوظفر ندوی، تاریخ سندھ، ص۳۷۸
۴۰۔ یاقوت حموی، معجم البلدان، ص۴۹۵، ج۲، مطبوعہ بیروت، ۱۸۵۶
۴۱۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، ص۱۵۹-۱۶۰
۴۲۔ معجم البلدان، ص۲۱۰، ج۵، مطبوعہ بیروت، ۱۸۵۷ء
۴۳۔ بساری مقدسی، احسن التقاسیم ص۴۷۹، مطبوعہ لائڈن، ۱۸۷۷ء
۴۴۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، ص۱۵۷
۴۵۔ یاقوت حموی، معجم البلدان، ج۱، ص۵۱۰، مطبوعہ بیروت، ۱۸۵۵ء
۴۶۔ ایضا، ج۱، ص۵۱۰
۴۷۔ ایضا، ج۱، ص۵۱۰
۴۸۔ سرمایہ عمر، ص۱۶۹-۱۶۰
۴۹۔ ایضا، ص۱۷۱
۵۰۔ ایضا، ص۱۷۱-۱۷۲
۵۱۔ ایضا، ص۱۷۱-۱۷۲
۵۲۔ برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش، ص۴۱-۴۴، مکتبہ ملت، دیوبند، ۲۰۰۲ء

۵۳۔ ایضا

۵۴۔ ایضا،ص۸۹

۵۵۔ سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جون-ستمبر ۱۹۹۲ء، ص ۶۹ مضمون: ہندوستان میں علماء ومحدثین کی دینی خدمات

۵۶۔ سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جون-ستمبر ۱۹۹۲ء، ص ۷۲

۵۷۔ سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جون-ستمبر ۱۹۹۲ء، ص ۷۳

۵۸۔ سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جون-ستمبر ۱۹۹۲ء، ص ۷۴-۷۵

۵۹۔ ابن حجر عسقلانی، اصابہ فی تمیز صحابہ، ج۱، ص ۵۳، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، ۲۰۰۴ء۔ سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جون-ستمبر، ۱۹۹۲ء، ص ۷۴-۷۵

۶۰۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی، سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، ص: ۲۶ (مقدمہ) میرے پیش نظر اس کتاب کا قدیم نسخہ ہے جو غالبا پہلی بار شائع ہوا تھا۔ اس میں مطبع اور سن درج نہیں ہے۔

۶۱۔ اسلامی ہند کی عظمت رفتہ، ص ۸۴-۱۸۵

۶۲۔ محمد بن الحسن الشیبانی، موطا امام محمد، کتاب الصلوٰۃ، باب اغتسال الجمعۃ۔

۶۳۔ ایضا، باب الرجل یاکل اویشرب ناسیا

۶۴۔ صحیح البخاری، کتاب الصحیح، باب قول النبی للحسن بن علی۔ کتاب المناقب، باب علامات النبوت، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، باب مناقب الحسن والحسین۔ کتاب الفتن، باب قول النب للحسن بن علی

۶۵۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، ص ۱۵۳-۱۵۶

۶۶۔ ایضا، ص ۱۵۷-۱۵۸

۶۷۔ ایضا، ص ۱۵۹-۱۶۳

۶۸۔ ایضا، ص ۱۶۳-۱۶۴

۶۹۔ مولانا اسحاق بھٹی، برصغیر میں علم فقہ، کتاب سرائے، الحمد مارکیٹ، اردو بازار، لاہور، پاکستان، ۲۰۰۹ء، ص ۳۵

۷۰۔ سید ابوظفر ندوی، تاریخ سندھ، ص ۳۷۶

۷۱۔ یہاں یہ بات بڑی دل چسپ ہے کہ ہر تیسرے دن محمد بن قاسم کی خط وکتابت حجاج بن یوسف سے ہوتی تھی۔ ان خطوط کی تعداد اور مضمون کی صراحت، 'چچ نامہ' اور مولانا محمد اسحاق بھٹی کی کتاب 'برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش' میں موجود ہے۔ (چچ نامہ، ص ۲۰۸-۲۰۹)

۷۲۔ تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ کریں: مولانا محمد اسحاق بھٹی، فقہاءِ ہند، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۷۴ء، ج۱

۷۳۔ سید ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ، ۲۰۰۸ء، ج ۲، ص ۲۴۴

۷۴۔ ابی جعفر محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری، دار لمعارف، قاہرہ، ج ۸، ص ۳۵۲

۷۵۔ شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ص، ادبی دنیا، مٹیا محل، دہلی، ۱۹۹۱ء

۷۶۔ ایضا، ص ۳۲

۷۷۔ سید ابوظفر ندوی، تاریخ سندھ، ۳۷۳-۳۷۴

۷۸۔ ایضا، ۳۷۷-۳۷۸

۷۹۔ آب کوثر، ص ۳۹-۴۰

۸۰۔ یہ ریاستیں کہاں کہاں اور کب قائم ہوئیں اور کتنے عرصے تک قائم رہیں اس کا اندازہ مندرجہ ذیل سطور سے کیا جاسکتا ہے:

(۱) دولت ماہانیہ سنجان (ہند) ۱۹۸ھ تا ۲۲۷ھ (۸۱۳-۸۴۲ء) تقریبا ۳۰ رسال

(۲) دولت ہباریہ منصورہ (سندھ) ۲۴۷ھ تا ۴۱۶ھ (۸۶۱-۱۰۲۵ء) تقریبا ۱۷۰ رسال

(۳) دولت سامانیہ ملتان (پنجاب) ۲۸۰ھ تا ۳۶۰-۳۷۰ھ (۸۹۳-۹۸۰/۹۷۰ء) تقریبا ۷۵ رسال

(۴) دولت معدانیہ تیز (مکران) ۳۴۰ھ تا ۴۷۱ھ (۹۵۱-۱۰۷۸ء) تقریبا ۱۳۰ رسال

(۵) دولت متغلبہ قصدار (توران) ۳۴۰ھ تا ۴۷۱ھ (۹۵۱-۱۰۷۸ء) تقریبا ۱۳۰ رسال۔ (ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، ص ۱۲۱-۱۲۲)

۸۱۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، ص ۱۴۹-۱۵۰